

مسلمان پر مسلمان کے چھ حقوق

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، قَالَ: «حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ» ، قِيلَ: مَا هُنَّ؟ يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ: «إِذَا لَقَيْتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، وَإِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ، وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ، وَإِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللَّهَ فَشَمِّتْهُ، وَإِذَا مَرِضَ فَعُدُّهُ، وَإِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ»

[مسلم: ۲۱۶۲/۵]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں۔ کسی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ کون سے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

- ①..... جب تم اسے ملو تو سلام کہو،
- ②..... جب وہ تمہیں بلائے تو اس کی دعوت قبول کرو،
- ③..... جب وہ تجھ سے خیر خواہی طلب کرے تو اس کی خیر خواہی کرو،
- ④..... جب وہ چھینک لے کر اللہ کی تعریف کرے تو اس کو جواب دو،
- ⑤..... جب وہ بیمار ہو تو اس کی بیمار پرسی کرو،
- ⑥..... جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

اے لوگو، جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے ہو! میری بات ذرا غور سے سنو.....!

- وہ رسولِ محترم ﷺ جن پر خدا اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے۔
- وہ رسولِ محترم ﷺ جن کے لیے فرشتے دعائے رحمت کرتے ہیں۔
- وہ رسولِ محترم ﷺ جن کی عمر کی قسم اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں اٹھائی ہے۔
- وہ رسولِ محترم ﷺ جن کی زندگی کو اللہ تعالیٰ نے بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔
- وہ رسولِ محترم ﷺ جن پر ایمان لانے کا وعدہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے عالم ارواح میں لیا گیا۔
- وہ رسولِ محترم ﷺ جنہیں اللہ تعالیٰ نے معراجِ جسمانی کے شرف سے نوازا۔
- وہ رسولِ محترم ﷺ جن کے بعد قیامت تک اب کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں۔
- وہ رسولِ محترم ﷺ جن کے خوش ہونے سے اللہ خوش ہوتا ہے۔
- وہ رسولِ محترم ﷺ جن کے ناراض ہونے سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔
- وہ رسولِ محترم ﷺ جن کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے۔
- وہ رسولِ محترم ﷺ جن کی نافرمانی، اللہ کی نافرمانی ہے۔
- وہ رسولِ محترم ﷺ جن کے کسی بھی فیصلے یا حکم سے روگردانی سارے نیک اعمال برباد کر دیتی ہے۔
- وہ رسولِ محترم ﷺ جن سے آگے بڑھنے کی کسی کو اجازت نہیں۔
- وہ رسولِ محترم ﷺ جن کے حضور اونچی آواز میں بات کرنا اپنی دنیا و آخرت برباد کرنا ہے۔
- وہ رسولِ محترم ﷺ جن کی اطاعت میں جنت اور نافرمانی میں جہنم ہے۔

ہم سب اُسی رسولِ محترم ﷺ کی اُمت سے ہیں۔ ہم سب نے اسی رسولِ محترم کا کلمہ پڑھا ہے۔ ہماری نسبت اسی رسولِ محترم ﷺ کے ساتھ ہے، تو پھر یہ کیا ہم نے علیحدہ علیحدہ نسبتیں قائم کر رکھی ہیں، علیحدہ علیحدہ فرقے اور مسلک بنا لیے ہیں، علیحدہ علیحدہ نام رکھ لیے ہیں اور پھر اپنی اپنی نسبت، اپنے اپنے فرقے، اپنے اپنے مسلک اور اپنے اپنے نام پر فخر جتانے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔

اے لوگو، جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کا دعویٰ رکھتے ہو! کیا ہمارے دل اپنے اپنے پسندیدہ مسلکوں اور طور طریقوں پر پتھروں سے بھی زیادہ سختی سے جمع ہوئے ہیں کہ سنت رسول ﷺ جان لینے کے باوجود ہم انہیں چھوڑنے کو تیار نہیں۔

اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان لانے والو! ذرا کان لگا کر میری بات تو سنو، صحابی رسول سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي» [متفق علیہ]

”جس نے میرے طریقے سے منہ موڑا، اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔“ [بخاری و مسلم]

اے لوگو، جو ایمان لائے ہو! ہم سب نے رسولِ محترم ﷺ کا ارشاد مبارک سن لیا۔ آئیے ذرا غور کریں کہ ہمارے پاس اس کا کیا جواب ہے؟

[مولانا محمد اقبال کیلانی۔ اتباع سنت کے مسائل، ص: ۴۰، ۵]

فہرست

1	مسلمان پر مسلمان کے چھ حقوق	جواہر پارے
2	یا ایہا الذین امنوا	کلمۃ طیبہ
5	عدالت کی عظمت	اداریہ
7	آیت الکرسی..... ①	علوم تفسیر
12	مدد صرف اللہ مشکل کشا سے ④ آخری	عقائد و ایمانیات
17	عید میلاد النبیؐ	مقام رسالت
24	کرکٹ..... ①	تاریخ و ثقافت
29	رحمة للعالمین	شعر و ادب

(حافظ احمد شاہ کر)

(ترجمہ: حافظ محمد اعجاز ساقی)

(مولانا عبد الرحمن ضیاء)

(حافظ حبیب الرحمن حنیف)

(طالبہ مدرسہ تدیس القرآن)

(مریم خنساء علیہا السلام)

ظلم

﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَلِيَّتَنِي
اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا﴾ [الفرقان: ۲۷]
”اور جس دن ظالم (ندامت و افسوس سے) اپنے
ہاتھوں کو کاٹ کھائے گا (کہے گا) کاش کہ میں پیغمبر
کے ساتھ (اسلام اور نجات کا) راستہ اختیار کرتا۔“

ظلم

ابوسلمہ کہتے کہ ان کے اور کچھ دوسرے لوگوں کے درمیان زمین
کا جھگڑا تھا اس کا ذکر انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کیا تو
انھوں نے فرمایا، ابوسلمہ! زمین سے پرہیز کرو کیوں کہ رسول
اللہ ﷺ نے فرمایا:
«مَنْ ظَلَمَ فَيَدَّ شَيْئًا مِنَ الْأَرْضِ طَوَّفَهُ مِنْ سَبْعِ أَرْضِينَ»
اگر کسی شخص نے ایک بالشت بھرنے میں بھی کسی دوسرے کی
ظلم سے لے لی تو سات زمینوں کا طوق قیامت کے دن
اس کی گردن میں ڈالا جائے گا۔“

23 تا 29 مارچ 2007ء..... (364)..... 3 ربیع الاول 1427ھ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص بستر پر لیٹے تو پہلے اپنا بستر اپنے
ازار کے کنارے سے جھاڑ لے کیوں کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کی بے خبری میں کیا چیز اس پر آگئی ہے۔ پھر یہ دعا پڑھے:

«بِاسْمِكَ رَبِّي وَضَعْتُ جَنْبِي وَبِكَ أَرْفَعُهُ إِنْ أُمْسَكَتْ نَفْسِي فَأَرْحَمْهَا وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا
بِمَا تَحْفَظُ بِهِ الصَّالِحِينَ» [بخاری: ۶۳۲۰]

”میرے پالنے والے! تیرے نام سے میں نے اپنا پہلو رکھا ہے اور تیرے ہی نام سے اٹھاؤں گا اگر تو نے میری
جان کو روک لیا تو اس پر رحم کرنا اور اگر چھوڑ دیا (زندگی باقی رکھی) تو اس کی اس طرح حفاظت کرنا جس طرح تو نیک
لوگوں کی حفاظت کرتا ہے۔“

عدالت کی عظمت

حافظ احمد شاہ

اداریہ

عدل اسلام کا وہ زریں اصول ہے کہ جس قوم، ملک یا ملت نے اپنایا وہ سرخ رو ہو گیا اور مسلمانوں کے جس گروہ، طبقے اور ملک نے اس کو ترک کیا وہ ذلیل و رسوا ہو گیا۔ اسلام اور مسلمانوں کے عدل و انصاف کے واقعات سے تاریخ اسلام بھری ہوئی ہے جو تاریخ انسانی کا روشن ترین حصہ ہیں۔ عدل اور مفاد ایک دوسرے کی ضد ہیں، جہاں عدل مطلوب ہوگا وہاں مفاد پنپ نہیں سکتا اور جہاں مفاد ہوگا وہاں عدل نہیں سکتا۔ سیاست کے مفاداتی حمام میں چوں کہ سب سیاست دان ننگے تھے اور ننگے ہیں، اس لیے سیاسی ہنڈیا میں کافی عرصہ کے ابالوں..... جوش..... کے باوجود سیاست دان اپنی کسی بھی حکومت مخالف تحریک میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے کیوں کہ جس بھی..... سیاسی و مذہبی..... لیڈر کے ہاتھ میں مفاد کا جو بیڑا آیا ہوا تھا وہ اس کو کسی قیمت پر چھوڑ نہیں رہا تھا۔ تا آنکہ حکومت نے نہ جانے کس کے مشورے یا کس کے بھرے میں آکر وطن عزیز کی تاریخ میں پہلی بار عدالت عظمیٰ کے سربراہ یعنی جناب چیف جسٹس کو حکماً غیر فعال کر دیا۔ گویا جس منصف نے عدالت انصاف کی مسند سنبھالتے ہی بہت سے بے نواؤں اور حق داروں کا حق از خود بغیر ان کی رسائی کے ان تک پہنچایا اب اسی صاحب عدل کو حکومت نے کٹہرے میں لاکھڑا کیا ہے۔ بات تو رموز مملکت خسرواں داند والی ہی ہے تاہم جو کچھ اخبارات کے ذریعے ہم تک پہنچا اس کے مطابق جناب افتخار چوہدری کی جرأت، ہمت اور..... اپنے موقف پر..... صداقت ہی سامنے آئی۔ اور انہی اطلاعات کے مطابق نہ وہ استغفے دینے..... غیر فعال ہونے..... پر آمادہ ہوئے، نہ رخصت پر جانے اور نہ وہ اپنے مقدمے کی بند کرے کی سماعت پر۔ وطن عزیز اس وقت ایک ایسے قانونی و عدالتی بحران سے دوچار ہو گیا ہے کہ بھارت، نیپال اور بعض دیگر ممالک نے حکومت کے..... غیر فعال کرنے..... کے حکم نامے کو عدالت و انصاف پر حملہ بھی قرار دیا ہے اور اپنی ہمدردیوں کا عدل و انصاف کی عظمت کے ساتھ اظہار بھی۔

اس کیس کا فیصلہ تو عدالت مجاز ہی کرے گی ہمیں اس پر رائے دینے کا حق نہیں ہے، ہم نہ اس کے اہل ہیں اور نہ مجاز۔ تاہم ایک خوش کن امر یہ ہے کہ وطن عزیز کے تمام نامور و کلاء جن میں جناب فخر الدین جی ابراہیم، جناب شریف الدین پیرزادہ اور اے جی منشی جیسے ماہرین قانون بھی شامل ہیں ان سب نے حکومتی فیصلے کے جواز کی وکالت کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ گویا تمام قانون دان قانون کی حرمت و وقار پر متفق ہو گئے ہیں۔ ایسے ہی اخبارات میں آمد تفصیلات کے مطابق جناب صدر سے ان کے منصب کے مطابق فراخ دلی اور عالی حوصلگی کی توقعات زیادہ تھیں جیسے انھوں نے پولیس کی بعض چیرہ دستیوں، میڈیا پر حملے اور مقامات عدل و انصاف..... ہائی کورٹ وغیرہ..... کی بے احترامی پر کھلے دل کے ساتھ قوم سے معافی مانگ لی ہے یہی رویہ..... اپنے سب اختیارات کے باوجود..... اگر وہ غیر فعال چیف جسٹس جناب افتخار چوہدری سے برت لیتے تو عوام بلکہ دنیا کے دل میں ان کے مقام و احترام اور سیاسی قد کاٹھ میں مزید اضافہ ہی ہوتا۔

موجودہ سیاسی ہماہمی یا بے کلی سے ایک اہم بات جو سامنے آئی وہ یہ ہے کہ تمام سیاسی لیڈر جو بدظاہر جمہوریت کے فراق میں ٹرپ رہے اور اس کی تلاش میں بوکھلائے ہوئے تھے، اب وہی تمام لیڈر و کلاء کی پیروی میں قانون کی بالادستی اور حکمرانی کا راگ الاپ رہے ہیں۔ لیکن نہ تو نظریہ

پاکستان کا پرچار کرنے والی سیاسی جماعتوں کی قیادت کی زبان سے نظریہ پاکستان کا کوئی اظہار یا طلب سامنے آئی ہے اور نہ اسلام کے نام پر ووٹ لینے والوں کی طرف سے ہی جزوی یا کلی طور پر قرآن وحدیث کے کسی کل یا جز کے نفاذ کا مطالبہ یا تذکرہ ہوا ہے۔ عوام کا ہر ”خدمت گزار“ یعنی سیاسی لیڈر اقتدار کا طالب ہی نکلا کہ سب کچھ درست ہو جائے گا بس ایک مرتبہ اقتدار میرے حوالے کر دو۔ گویا ایک عرصے سے جو بات بعض مخلص اصحاب فکر و نظر کا لم نگار لفظوں میں لپیٹ لپٹ کر کہہ رہے تھے کہ، متحرک سیاسی ہجوم کی جو اکثریت جمہوریت کے ہجر میں بہ ظاہر مارے مارے پھر رہی ہے وہ تو صرف لیلائے اقتدار کے تعاقب میں سرگرداں ہیں، وہی بات صحیح ثابت ہوگئی۔

ویسے تو سرحدی علاقوں کا حکومت سے..... امریکا کے ناپسندیدہ..... امن معاہدے کے بعد عموماً اور ایران کے مسئلے پر خصوصاً بہ ظاہر حکومت کے دو ٹوک موقف کے بعد ہی امریکا بہادر کا لہجہ بدلا بدلا سا ہو گیا تھا لیکن وطن عزیز بہ ظاہر اچانک بدلے ہوئے حالات میں سیاست کی بدلتی ریتیں دیکھ کر امریکا بہادر نے بھی اپنا وزن عدالت وقانون کی عظمت وتحفظ کے پڑے میں ڈالنا شروع کر دیا ہے جس سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ ہمارے صدر گرامی سوائے سورج مکھیوں اور دسترخوانی قبیلے کے اندرونی و بیرونی تائید کھور ہے ہیں جس کو اس لحاظ سے اچھا شکون نہیں کہا جاسکتا کہ وطن عزیز کے تجارتی، معاشی اور سیاسی حالات انارکی اور ہنگاموں کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اس لیے جو فیصلہ یا قدم قانون، امن اور محبت کے دائرے میں ہوگا وہ بابرکت اور دیر پا ہوگا۔ ہم توقع رکھتے ہیں کہ صدر گرامی نے جس طرح حکومتی کارندوں کی کوتاہیوں پر ایک بہادر مسلمان کی طرح صاف لفظوں میں غلطی کا اعتراف کر لیا اور اس پر معافی مانگ لی ہے وہ اسی جذبے اور عالی ظرفی سے وطن عزیز کو مزید آزمائشوں سے بچانے کے کسی دلیرانہ فیصلے سے دریغ نہیں کریں گے اور موقع پاتے ہی کوئی ایسے تاریخی فیصلے بھی صادر کرنے سے بھی گریز نہیں کریں گے جو اسلام، مسلم امہ اور وطن کے لیے مفید بھی ہوں گے اور ان کے لیے تلافی مافات بھی۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

فوجی انقلاب

فوجی انقلاب آمریت کا دوسرا رخ ہے۔ آمریت (شاہیت) میں کسی واحد خاندان کی اجارہ داری ہوتی ہے۔ فوجی انقلاب میں کئی ایک خانوادوں کے شاطروں کی خدائی ہوتی ہے۔ آمریت میں ریاست آمر کی جاگیر سمجھی جاتی ہے جس میں باقاعدہ وراثت چلتی ہے۔ فوجی انقلاب میں ریاست چند لٹلے بازوں اور سیاسی ڈاکوؤں کا صید زبوں ہوتا ہے جس میں نسلی وراثت کی بجائے عموماً ”جس کی لاٹھی اس کی ہینس“ والی ریت پر صد کیا جاتا ہے۔ آمریت حیلہ و پرویزی کی لطیف ترین چال اور شعبہ گری کا حاصل ہوتا ہے اور فوجی انقلاب کو طاقت کے دیوبیکل پندار اور جنگی نظام دارو گیر کی ناخلف اولاد سمجھ لیجئے۔

کسی ملک میں سکھا شاہی اقتصاد بد حالی حکمرانوں کے خلاف عوام کی بد اعتمادی، نفرت، بے زاری، حاکم اور محکوم کے مابین جذبات رقابت وغیرہ امور فوجی انقلاب کے لیے زمین اور کھاد کا کام دیتے ہیں۔ جب یہ چیزیں کسی ملک میں عام ہو جاتی ہیں تو ملک کا وہ شعبہ (فوج) جس کے ہاتھ میں ملکی طاقت کا سارا توازن ہوتا ہے اس میں کچھ اس قسم کے موقعہ شناس افراد پیدا ہو جاتے ہیں جو پوری گمنامی کے عالم میں سازشوں کا جال بچھاتے ہیں۔ جب اس کی گرفت مضبوط ہو جاتی ہے تو پھر وہ پورے ملک کا تختہ الٹ کر رکھ دیتے ہیں۔

یہ فوجی انقلاب ملک و ملت کے لیے آیہ رحمت تو بہت کم ثابت ہوا ہے البتہ یہ ضرور ہوا ہے کہ اس کی وجہ سے ملک میں خانہ جنگی، خون کی ہولی اور بد امنی ہمیشہ عروج پر رہی ہے۔ مخلصین کی جگہ منافقین کی پیدائش بڑھی ہے، حوصلے بڑھنے کے بجائے ٹوٹے ہیں۔ عزت نفس کے احساس کے بجائے جان و مال کی عافیت کے سودے نے ترقی کی ہے ”جان بچی سولا کھوں پائے“ کے مصداق سرفروشوں کی جگہ سرچھپانے والے افراد میں اضافہ ہوا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ فتنہ جب کسی ملک میں سراٹھار لیتا ہے تو وہ ریت بن کر رہ جاتا ہے۔ ہم ہر حکمران کو ملک و ملت کا واسطہ دے کر یہ کہیں گے کہ اپنی سیاہ کاریوں کا جائزہ لے کر اپنی اصلاح کر لے تاکہ بدنہاد عنصر کو بہانہ نہ ملے۔ [ہفت روزہ الاعتصام ۱۴ محرم ۱۴۳۸ھ]

آیت الکرسی

تحریر: فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین

ترجمہ: حافظ ابوبکی محمد اعجاز ساقی

ہیں، جب کہ اپنے موضوعات و مدلولات کے اعتبار سے ان میں فرق موجود ہے، مثلاً ”سورۃ الاخلاص“ جس میں اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات پر مشتمل تعریف موجود ہے، اپنے موضوع کے اعتبار سے یہ ”سورۃ الہب“ کی مثل نہیں ہو سکتی، جس میں ابولہب کا حال بیان ہوا ہے۔

اسی طرح انداز بیان کی قوت و تاثیر کے اعتبار سے بھی آیات میں تفاوت موجود ہے، بعض آیات کو آپ دیکھیں گے کہ وہ چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں، لیکن ان میں دلوں کے لیے سخت ڈانٹ اور وعظ و نصیحت موجود ہوتی ہے۔ اور بعض آیات ان سے بہت بڑی ہوتی ہیں لیکن ان میں پہلے والی آیات کی طرح قوت و تاثیر نہیں ہوتی۔ مثال سے سمجھئے کہ قرآن کریم کی یہ آیت

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَسْتُمْ بِدِينٍ إِلَىٰ آجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ..... الخ﴾ [البقرة: ۲۸۲]

”اے ایمان والو! جب تم ایک مقررہ مدت تک کوئی قرضے والا معاملہ کرو، تو اس کو لکھ لو!“

آسان موضوع کی حامل ہے، اس میں لوگوں کے باہمی معاملات کا ذکر ہے، اس میں وہ تاثیر نہیں جو اس آیت میں ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ط وَ إِنَّمَا تُوَفَّقُونَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ط فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ط وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ﴾ [آل عمران: ۱۸۵]

”ہر جان موت کا ذائقہ چکھ کر رہے گی، تم قیامت کے دن اپنے اعمال کا بدلہ پورا پورا پاؤ گے، جو شخص آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ یقیناً کامیاب ہو گیا، دنیا کی زندگی

﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۚ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ ۚ لَهُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضَ ۚ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾ [البقرة: ۲۵۵]

اس آیت کو ”آیت الکرسی“ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی کرسی کا ذکر ہے۔ ﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضَ﴾، یہ قرآن کی سب سے عظیم المرتبت آیت ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کتاب اللہ کی سب سے عظیم آیت کون سی ہے؟ تو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾

آپ نے فرمایا:

﴿لِيَهْزُنَكَ الْعِلْمُ أَبَا الْمُنْذِرِ﴾ [صحیح مسلم: ۸۱]

”اے ابوالمنذر! تجھے تیرا علم مبارک ہو۔“

نبی ﷺ نے ان کی اس بات کو برقرار رکھا، اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ قرآن کریم کے عالم تھے۔

اس حدیث میں یہ بھی اشارہ ہے کہ قرآن کریم کی بعض آیات بعض پر مرتبہ و مقام میں فضیلت رکھتی ہیں، جیسا کہ سورۃ اخلاص کی فضیلت میں آپ ﷺ کا فرمان بھی اس کی تائید کرتا ہے، اس موضوع میں قدرے تفصیل ہے۔ ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ متکلم کے اعتبار سے تو ان میں برابری ہے، کیوں کہ سب آیات ایک ہی متکلم (اللہ تعالیٰ) کا کلام

تو محض دھوکے کا سامان ہے۔“

اس آیت مبارکہ میں جو وعظ و نصیحت اور ترغیب و ترہیب ہے، وہ سابقہ قرضے کے احکام والی آیت میں نہیں۔ حالانکہ وہ اس سے کہیں لمبی ہے۔

﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾

”اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں، وہ زندہ اور قائم ہے۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ الوہیت میں وہ منفرد ہے، کیونکہ اس جملے میں ”حصر“ موجود ہے، اور نفی و اثبات کا یہ طریقہ حصر کا سب سے قوی صیغہ ہے۔

”الْحَيُّ“ ایسی کامل زندگی والا، جس میں کمال کی تمام صفات موجود ہیں، نہ تو ماضی میں کبھی معدوم ہوا اور نہ مستقبل میں کبھی اسے زوال آئے گا، بلکہ کسی بھی طرح سے کوئی بھی نقص اسے لاحق نہیں ہوتا۔ ”الْحَيُّ“ اللہ کا نام ہے، کبھی اس کا اطلاق غیر اللہ پر بھی ہو جاتا ہے، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَمِيتِ﴾ [الانعام: ۹۵]

لیکن یہ ”زندہ“ اس ”زندہ“ ذات کی طرح نہیں ہو سکتا اور نہ ہی نام کے اشتراک سے ”مستی“ کی آپس میں مشابہت لازم آتی ہے۔

”الْقَيُّومُ“، فَيَعُولُ کا وزن ہے، یہ مبالغہ کا صیغہ ہے اور ”قیام“ سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے ”بذات خود قائم ذات“، اس کے بذات خود قیام سے یہ بات لازم آتی ہے کہ وہ ہر چیز سے مستغنی ہے، کھانے، پینے وغیرہ کی اسے حاجت نہیں، اس کے علاوہ کوئی چیز بھی بذات خود قائم نہیں، بلکہ ہر ایک چیز اپنے وجود، پرورش اور بقا میں اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے۔

”الْقَيُّومُ“ کا ایک معنی ”دوسروں کی نگہبانی کرنے والا“ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ﴾

”کیا وہ ذات جو ہر جان کے اعمال کی نگہبان ہے (ان کی

طرح ہو سکتی ہے جو ایسے نہیں۔)“ [الرعد: ۳۳]

ہر نفس کے اعمال کا نگہبان اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اسی لیے علماء نے ”الْقَيُّومُ“ کے دونوں معنی بیک وقت کیے ہیں یعنی بذات خود قائم اور دوسروں کو قائم رکھنے والا، جب یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہی بذات خود قائم ہے تو دوسروں کا اس کی وجہ سے قائم رہنا خود بخود ثابت ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ﴾

”اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ زمین و آسمان اسی کے حکم سے قائم ہیں۔“ [الروم: ۲۵]

لہذا اللہ تعالیٰ کامل صفات اور کامل افعال کا حامل ہے۔ یہ دونوں نام (الْحَيُّ الْقَيُّومُ) اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم ہیں اور جب بھی اسم اعظم کے واسطے سے اللہ کو پکارا جائے تو وہ دعا قبول کر لیتا ہے۔ لہذا انسان کو چاہیے کہ اپنی دعا میں ان کو وسیلہ بناتے ہوئے کہے: يَا قَيُّومُ! یہ دونوں نام قرآن کریم میں تین مقامات پر آئے ہیں۔ پہلا مقام تو یہی ہے، دوسرا سورہ آل عمران میں ہے:

﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾ [آل عمران: ۲۰]

”اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ اور قائم ہے۔“ تیسرا سورہ طہ میں ہے:

﴿وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ﴾ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا [طہ: ۱۱۱]

”تمام چہرے حی و قیوم ذات کے سامنے جھک جائیں گے اور ہر ظالم رسوا ہوگا۔“

ان دونوں ناموں میں ذاتی اور سلطانی کمال موجود ہے، ذاتی کمال ”الْحَيُّ“ میں اور سلطانی کمال ”الْقَيُّومُ“ میں۔ کیونکہ وہ ہر چیز پر نگہبان ہے اور ہر چیز اسی کی وجہ سے قائم ہے۔

﴿لَا تَأْخُذُہُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ﴾

”اسے نہ اگھ آتی ہے، نہ نیند۔“

”اَلْكَسْنَةُ“ اگھ کو کہتے ہیں، جو نیند کا آغاز ہوتا ہے، اللہ نے یہ نہیں فرمایا: ”لَا يَنَامُ“ کہ وہ سوتا نہیں، کیوں کہ نیند کرنا اختیاری ہے، جب کہ ”أَخَذَ“ میں جبر ہے۔

نیند صفاتِ نقص میں سے ہے: نبی ﷺ نے فرمایا:
«إِنَّ اللَّهَ لَا يَنَامُ، وَلَا يَنُيغِي لَهُ أَنْ يَنَامَ»

[صحیح مسلم: ۱۷۹]

”اللہ تعالیٰ سوتا نہیں، اور نہ نیند اس کے شایانِ شان ہے۔“

یہ صفت، صفاتِ منفیہ میں سے ہے اور صفاتِ منفیہ کے اندر اثبات کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ اثبات ”ضد کا کمال“ ہوتا ہے ﴿لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ﴾ میں زندگی اور قیومت کا کمال موجود ہے۔ کیوں کہ اس کی زندگی کا یہ کمال ہے کہ وہ نیند کا محتاج نہیں اور اس کی قیومت کا یہ کمال ہے کہ وہ سوتا نہیں۔ نیند کی محتاج تو زندہ مخلوقات ہوتی ہیں کیوں کہ وہ ناقص ہوتی ہیں۔ وہ اپنے ماضی کی تھکاوٹ اور مستقبل میں کام کے لیے آرام کی ضرورت مند ہوتی ہیں۔ اہل جنت چوں کہ کامل حیات کے حامل ہوں گے۔ لہذا صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ انھیں نیند نہیں آئے گی۔

اگر کوئی یہ اعتراض کر دے کہ انسان میں نیند کمال کا موجب ہے، اسی لیے جو انسان سوتا نہیں، اسے بیمار سمجھا جاتا ہے۔

ہم جواباً عرض کریں گے کہ یہ ایسے ہی ہے جیسے کھانا انسان میں صفت کمال ہے، اگر نہ کھائے تو مریض شمار ہوگا، لیکن یہ ایک اعتبار سے نقص ہے اور ایک اعتبار سے کمال ہے، بدن کی صحت اور درستی کے اعتبار سے یہ کمال ہے اور اس کی طرف بدن کی احتیاج کے اعتبار سے یہ نقص ہے۔ تو حقیقتاً یہ نقص ہی ٹھہرے گا۔

اس بحث کے پیش نظر ہر وہ صفت جو مخلوق کے لیے کمال ہے، خالق کے لیے وہ کمال نہ ہوگی، اور ہر وہ صفت جو خالق کے لیے کمال ہے مخلوق کے لیے کمال نہیں ہوگی۔ جیسا کہ ”تکبر“ خالق کے لیے تو صفت کمال ہے، لیکن مخلوق کے لیے نقص، اور کھانا، پینا، سونا وغیرہ مخلوق کے

لیے کمال ہیں، لیکن خالق کے لیے نقص۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں فرمایا ہے:

﴿وَهُوَ يُطْعَمُ وَلَا يُطْعَمُ﴾ [الانعام: ۱۴]

”وہ کھلاتا ہے، کھلایا نہیں جاتا۔“

﴿لَهُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾

”اسی کے لیے ہے جو کچھ زمین و آسمان میں ہے۔“

”لہ“ خبر مقدم اور ”ما“ مبتدا مؤخر ہے۔ اس جملے میں بھی حصر پایا جاتا ہے، کیوں کہ جس کا مقام بعد میں ہو، اسے پہلے لایا جائے تو حصر پیدا ہو جاتا ہے، یہاں خبر کو پہلے لایا گیا ہے، ”لہ“ میں لام مکمل ملک کے لیے ہے، اس کا کوئی مخالف نہیں۔

”فِي السَّمُوتِ“ یعنی فرشتے، جن اور وہ مخلوقات جن کو ہم نہیں جانتے۔ ”وَمَا فِي الْأَرْضِ“ یعنی تمام مخلوقات، حیوان ہوں یا غیر حیوان۔ لفظ ”السَّمُوتِ“ سے پتا چلتا ہے کہ آسمان کئی ہیں، قرآن کریم نے انھیں سات بتایا ہے:

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمُوتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾

”اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے سات آسمان اور ان کی مثل

ہی زمین کو بنایا۔“ [الطلاق: ۱۲]

اس آیت مبارکہ میں آسمانوں کی تعداد تو صراحت سے بیان ہوئی ہے لیکن زمینوں کی تعداد کی طرف اشارہ ہے۔ صراحاً نہیں کہا گیا، البتہ حدیث نبوی نے اس کی صراحت کر دی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَقْطَعَ شِبْرًا مِنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا، طَوَّقَهُ اللَّهُ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرْضِينَ» [صحیح مسلم: ۱۶۱۰]

”جس نے کسی کی ایک بالشت زمین ناحق و دہائی، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے ساتوں زمینوں کا اس زمین کے عوض طوق پہنا دے گا۔“

﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾

”کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے پاس سفارش

کر سکے۔“

”مَنْ ذَا“ اسم استفہام ہے، یا پھر یوں کہہ سکتے ہیں کہ ”مَنْ“ اسم استفہام اور ”ذَا“ ملغاة ہے، اسے اس ترکیب میں اسم موصول نہیں کہہ سکتے۔ کیوں کہ یہ جملہ اس طرح ہو جائے گا: ”مَنْ الذِّی الذِّی“ اور یہ درست نہیں۔ ”اَلشَّفَاعَةُ“ لغوی اعتبار سے جوڑا بنانا، جفت کرنا، قرآن کریم میں ہے:

﴿وَالشَّفَعِ وَالْوَتْرِ﴾ [الفجر: ۳]

”قسم ہے جفت اور طاق کی۔“

اصطلاحاً: کسی کی وساطت سے نفع حاصل کرنا یا نقصان سے بچنا، شفاعت کہلاتا ہے، جیسا کہ قیامت کے دن نبی ﷺ کی محشر میں حلدی حساب و کتاب کے لیے شفاعت، یہ نقصان سے بچانے کے لیے ہوگی اور اہل جنت کے لیے جنت کی شفاعت، نفع دلوانے کے لیے ہوگی۔

”عِنْدَهُ“ سے مراد ہے ”اللہ کے ہاں۔“

”إِلَّا بِإِذْنِهِ“ یعنی اس کی اجازت شفاعت کرنے والے کو ہو تو شفاعت کر سکے گا، اس آیت سے شفاعت ثابت ہوتی ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے اجازت ہو، اگر شفاعت بالکل ثابت ہی نہ ہوتی تو ”إِلَّا بِإِذْنِهِ“ سے کیا گیا استثناء لغو بے فائدہ ہوتا۔

ان الفاظ کو ”لَهُ مَا فِي السَّمُوتِ“ کے بعد ذکر کرنے کا مقصود یہ ہے کہ یہ زمین و آسمان کی بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے، وہی کامل و اکمل سلطان ہے، کوئی اس کی ملک میں تصرف نہیں کر سکتا، حتیٰ کہ شفاعت کے ذریعے بھی، ہاں! جسے وہ اجازت دے، اس کی شفاعت کو قبول کر کے اس کا مقصود پورا کر دے گا۔ یہ اس کی ربوبیت اور بادشاہت کی کاملیت کی دلیل ہے۔

اس جملے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کا ”إِذْنٌ“ دراصل ”إِذْنٌ“ ”إِعْلَامٌ“ کے معنی میں ہے۔ یعنی بتا دینا، اطلاع کرنا، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْنٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ [التوبة: ۳]

”اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اطلاع ہے۔“

لہذا ”بِإِذْنِهِ“ کا معنی ہوا ”اس کی اطلاع کے بعد کہ وہ اس سے راضی ہے۔“

شفاعت کی اور بھی شرائط ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شفاعت کرنے والے اور جس کی شفاعت کی جائے، دونوں سے راضی ہو۔ چنانچہ فرمان الہی ہے:

﴿وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَى﴾ [الانبیاء: ۲۸]

”وہ شفاعت صرف اسی کی کریں گے جس سے اللہ راضی ہوگا۔“ نیز فرمایا:

﴿يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا﴾ [طہ: ۱۰۹]

”اس دن شفاعت صرف اسی کو فائدہ دے گی جس کے بارے اللہ تعالیٰ اجازت دے گا اور اس کے لیے سفارش کی بات کو پسند کرے گا۔“

ایک آیت کریمہ میں تو یہ تینوں شروط جمع ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمُوتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَرْضَى﴾

”آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں کہ ان کی شفاعت کچھ فائدہ نہیں دیتی مگر اس کے بعد کہ اللہ جس کے لیے چاہے اور پسند کرے، حکم دے دے۔“ [النجم: ۲۶]

یعنی سفارش کرنے والے اور جس کے لیے سفارش کی گئی، دونوں سے راضی ہو، کیوں کہ مفعول کا حذف عموم پر دلالت کرتا ہے۔

اگر کوئی اعتراض کر دے کہ سفارش کا کیا فائدہ ہے جب کہ اللہ کو تو علم ہی ہوتا ہے کہ اس سفارش کیے جانے والے آدمی نے نجات حاصل کر لینی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سفارش کا حکم اس لیے دے گا تاکہ سفارش کرنے والے کو معزز بنا دے اور وہ مقام محمود تک پہنچ جائے۔

﴿اَوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ [بنی اسرائیل: ۸۵]

”(اے نبی ﷺ!) وہ آپ سے روح کے بارے سوال کرتے ہیں، کہہ دیں کہ روح میرے رب کا حکم ہے اور تم بہت تھوڑا علم دیئے گئے ہو۔“ [جاری ہے]

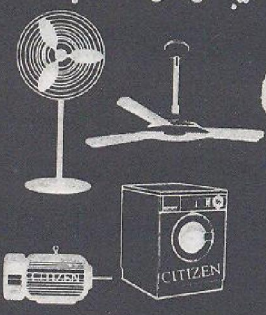
گیارہویں سالانہ کانفرنس برائے خواتین

جامعہ سلفیہ للبنات چوک نیگم کوٹ لاہور کی گیارہویں سالانہ کانفرنس برائے خواتین ۲۴ مارچ ۲۰۰۷ء بروز ہفتہ منعقد ہوگی۔ خصوصی خطاب محترمہ وکرمہ پروفیسر حافظہ ام عبدالرب صاحبہ ”نسواں ایکٹ“ پر کتاب وسنت کی روشنی میں خطاب فرمائیں گی۔ ان کے علاوہ دیگر مبلغات بھی تشریف لارہی ہیں۔ کانفرنس صبح ۱۰ بجے تا عصر جاری رہے گی۔ [ناظمہ جامعہ ہذا]

اعلیٰ معیار کی ضمانت

فون: 275261
51538

اعلیٰ کوالٹی پائیداری میں بے مثال
زینت اور زیبائش میں لاجواب



سٹیژن
پتکے، موٹریں
اور
واشنگ مشینیں

تیار کردہ: سٹیژن الیکٹریکل انڈسٹریز چھٹو روڈ کوٹراوالہ

﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾

”وہ ان کے آگے کی چیزیں اور ان کے پیچھے کی چیزیں جانتا ہے۔“ کسی چیز کی اصل حقیقت کو پورے یقین سے پانا ”علم“ کہلاتا ہے، ”يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيهِمْ“ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے مستقبل کو جانتا ہے ”وَمَا خَلْفَهُمْ“ یعنی ان کے ماضی کو بھی جانتا ہے۔ کلمہ ”ما“ عموم کا صیغہ ہے، ہر ماضی اور ہر مستقبل کو شامل ہے۔ اسی طرح یہ کلمہ اللہ کے اپنے فعل اور مخلوق کے افعال کو بھی شامل ہے۔

﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ اِلَّا بِمَا شَاءَ﴾

”وہ لوگ اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جو وہ چاہے۔“ ”يُحِيطُونَ“ میں ضمیر مخلوق کی طرف لوٹی ہے جس کا ذکر ”لہ مافی السموت و مافی الارض“ میں ہے، یعنی زمین و آسمان میں کوئی مخلوق بھی اللہ کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتی، مگر جو اللہ چاہے (ان کو دے دے۔)

”مِنْ عِلْمِهِ“ میں دو احتمال ہیں: ایک تو اس کی ذات کا علم، دوسرا اس کی صفات کا علم۔ یعنی ہم اللہ، اس کی ذات اور اس کی صفات کے بارے میں کچھ نہیں جانتے مگر جو اس نے چاہا ہمیں بتا دیا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں ”علم“ بمعنی ”معلوم“ ہو، یعنی وہ اللہ کی معلومات میں سے کچھ نہیں جان سکتے مگر جو وہ خود بتانا چاہے۔ دونوں معنی درست ہیں لیکن ہمارا خیال ہے کہ دوسرا معنی زیادہ عموم کا حامل ہے۔ کیوں کہ اللہ کی معلومات سے مراد اس کا، اس کی ذات کا، اس کی صفات کا علم اور دوسرے تمام علوم ہیں۔

”اِلَّا بِمَا شَاءَ“ یعنی جو چاہے ان کو سکھا دے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے اسماء، صفات، کائنات کے بارے احکام اور شرعی احکام کی بہت سی چیزیں سکھادی ہیں، البتہ یہ بہت سی چیزیں اللہ کی معلومات کے مقابلے میں بہت تھوڑی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود بتا دیا ہے:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ط قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَ

مدد صرف اللہ مشکل کشا سے

مولانا عبدالرحمن ضیاء (مدرس جامعہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، لاہور)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو اس وقت آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہو چکا تھا اور خود کی دو کڑیاں آنکھ کے نیچے رخسار میں دھنس چکی تھیں میں نے ان کو نکالنا چاہا تو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تجھے اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے نکالنے دیجیے اس کے بعد انہوں نے منہ سے ایک کڑی پکڑی اور آہستہ آہستہ نکالنی شروع کی تاکہ رسول اللہ ﷺ کو اذیت نہ پہنچے اور بالآخر ایک کڑی اپنے منہ سے کھینچ کر نکال دی لیکن اس کوشش میں ان کا اپنا ہی ایک دانت نکل گیا پھر آپ نے فرمایا ابطلحہ کو سنبھالو اس نے اپنے لیے جنت واجب کر لی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اب ہم طلحہ کی طرف متوجہ ہوئے اسے سنبھالا تو اس وقت ان کو دس سے زیادہ زخم آچکے تھے۔ [الرحیق، ص: ۳۶۸، ۳۶۹ - زاد المعاد: ۲/۹۵]

ایسے نازک ترین لمحات میں ان کا مشکل کشا کون تھا وہ کس کو پکارتے تھے؟ مشرکین مکہ کی طرف سے جب اپنے مشکل کشاؤں کے نعرے بلند کیے گئے اُغلِ ہُبُل! ہبل تو بلند ہو۔ تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم ان کے نعرے کا جواب دو۔ صحابہ نے عرض کیا: ہم کیا کہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم کہو ”اللہ اَعْلٰی وَاَجَلُ“ اللہ ہی سب سے اعلیٰ و سب سے جلیل و برتر ہے۔ غیر اللہ کو مشکل کشا سمجھنے والوں کی طرف سے آواز آئی: ”لَنَا الْعُزَىٰ وَلَا عُزَىٰ لَكُمْ“ ہمارے لیے عزئی ہے اور تمہارے لیے کوئی عزئی نہیں، نبی ﷺ نے فرمایا: تم کہو ”اللہ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَكُمْ“ اللہ ہی ہمارا حمایتی اور مشکل کشا ہے اور تمہارا کوئی حمایتی اور مشکل کشا نہیں۔ [صحیح بخاری: ۲/۷۷۹]

مشرکین مکہ کی احد سے واپسی کے وقت بھی رسول اللہ ﷺ نے اپنے مولیٰ مشکل کشا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس سے دعا کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ اللہ عزوجل کی حمد و ثنا کرتے ہوئے اس سے دعا فرماتے ہیں۔ امام احمد کی روایت ہے کہ احد کے روز جب مشرکین واپس چلے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا برابر ہو جاؤ۔ ذرا میں اپنے رب عزوجل کی ثنا کروں۔ اس حکم پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے پیچھے صفیں باندھ لیں اور آپ نے یوں فرمایا:

«اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهُ اللَّهُمَّ لَا قَابِضَ لِمَا بَسَطْتَ وَلَا بَاسِطَ لِمَا قَبَضْتَ، وَلَا هَادِيَ لِمَنْ أَضَلَّتْ، وَلَا مُضِلَّ لِمَنْ هَدَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُقَرِّبَ لِمَا بَاعَدْتَ، وَلَا مُبْعِدَ لِمَا قَرَّبْتَ، اللَّهُمَّ ابْسُطْ عَلَيْنَا مِنْ بَرَكَاتِكَ وَرَحْمَتِكَ وَفَضْلِكَ وَرَزْقِكَ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ النِّعَمَ الْمُقِيمَ، الَّذِي لَا يَحُولُ وَلَا يَزُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَوْنَ يَوْمَ الْعِيلَةِ وَالْأَمْنِ يَوْمَ الْخَوْفِ۔ اللَّهُمَّ إِنِّي عَائِدُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا أَعْطَيْتَنَا وَشَرِّ مَا مَنَعْتَنَا۔ اللَّهُمَّ حَبِّبِ إِلَيْنَا الْإِيمَانَ وَزَيِّنْهُ فِي قُلُوبِنَا وَكَرِّهِ إِلَيْنَا الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِينَ، اللَّهُمَّ تَوَقَّنَا مُسْلِمِينَ، وَآحِينَا مُسْلِمِينَ وَالْحَقُّنَا بِالصَّالِحِينَ غَيْرَ خَرَّابٍ وَلَا مُفْتُونِينَ، اللَّهُمَّ قَاتِلِ الْكُفْرَةَ الَّذِينَ يَكْذِبُونَ رُسُلَكَ، وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِكَ، وَاجْعَلْ عَلَيْهِمْ رَجْزَكَ وَعَذَابَكَ اللَّهُمَّ قَاتِلِ الْكُفْرَةَ الَّذِينَ أَوْتُوا الْكِتَابَ إِلَهُ الْحَقِّ» [مسند

”اے اللہ! تیرے ہی لیے ساری حمد ہے۔ اے اللہ جس چیز کو تو کشادہ کر دے اسے کوئی تنگ نہیں کر سکتا اور جس شخص کو تو گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور جس شخص کو تو ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ جس چیز کو تو روک دے وہ کوئی دے نہیں سکتا اور جو چیز تو دے دے وہ کوئی روک نہیں سکتا۔ جس چیز کو تو دور کر دے اسے کوئی قریب نہیں کر سکتا اور جس چیز کو تو قریب کر دے اسے کوئی دور نہیں کر سکتا۔ اے اللہ! ہمارے اوپر اپنی برکتیں، رحمتیں اور فضل و رزق پھیلا دے۔

اے اللہ! میں تجھ سے برقرار رہنے والی نعمت کا سوال کرتا ہوں۔ جو نہ ٹلے اور نہ ختم ہو۔ اے اللہ! میں تجھ سے فقر کے دن مدد کا اور خوف کے دن امن کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! جو کچھ تو نے ہمیں دیا ہے اس کے شر سے اور جو کچھ نہیں دیا ہے اس کے بھی شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اے اللہ! ہمارے نزدیک ایمان کو محبوب کر دے اور اسے ہمارے دلوں میں خوشنما بنا دے اور کفر، فسق اور نافرمانی کو ناگوار بنا دے اور ہمیں ہدایت یافتہ لوگوں میں کر دے۔ اے اللہ! ہمیں مسلمان رکھتے ہوئے وفات دے اور مسلمان ہی رکھتے ہوئے زندہ رکھ اور رسوائی اور فتنے سے دوچار کیے بغیر صالحین میں شامل فرما۔ اے اللہ! تو ان کافروں کو مار اور ان پر سختی اور عذاب نازل کر جو تیرے پیغمبروں کو جھٹلاتے اور تیری راہ سے روکتے ہیں۔ اے اللہ! ان کافروں کو بھی مار جنہیں کتاب دی گئی یا الالحق۔“

قنادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے چچا رفاعہ بن زید رضی اللہ عنہ کی ان کے رشتہ داروں (بنو ابیرق بشیر، بشر اور مبشر) نے چوری کر لی یعنی آٹے کا تھیلا (بوری) اور اسلحہ زہرہ اور تلوار چرائی تھی انہوں نے انکار کیا اور دوسروں کا نام لگانے لگے لیکن قرائن اور علامات سے وہی چور معلوم ہوتے تھے۔ ابوقنادہ رضی اللہ عنہ کے چچا رفاعہ رضی اللہ عنہ نے ابوقنادہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا تاکہ وہ آپ کو صورتِ حال سے آگاہ کر کے آئے۔ چنانچہ

ابوقنادہ رضی اللہ عنہ نے جا کر آپ کو بتایا تو آپ نے کہا میں اس کے متعلق کچھ کروں گا۔ جب بنو ابیرق کو پتا چلا تو انہوں نے بھی اپنے حمایتی چند افراد نبی ﷺ کی خدمت میں بھیجے تاکہ وہ آپ کو بتا کر آئیں کہ قنادہ بن نعمان اور اس کے چچا رفاعہ ہمارے نیک لوگوں پر چوری کا الزام لگا رہے ہیں۔ حالاں کہ ان کے پاس کوئی گواہ اور دلیل بھی نہیں ہے۔ اتنے میں قنادہ بھی نبی ﷺ کے پاس آ حاضر ہوئے نبی ﷺ نے فرمایا: قنادہ! تم ایسے لوگوں پر چوری کا الزام لگا رہے ہو جن کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ نیک اچھے مسلمان ہیں اور تمہارے پاس گواہ اور دلیل بھی کوئی نہیں ہے۔ قنادہ فرماتے ہیں کہ میں (نبی ﷺ کی بات سن کر) اسی طرح واپس آ گیا اور میری حالت یہ تھی کہ میں اس وجہ سے انتہائی نادم تھا کاش! میں اپنے سارے مال سے محروم ہو چکا ہوتا میرے لیے اس بات سے بہتر تھا کہ میں رسول ﷺ سے اپنے چچا کی چوری کے متعلق بات کرتا (یعنی اس بات سے مجھے اتنی شرم آتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے کہا ہے کہ تو نے اچھے مسلمانوں پر چوری کا الزام لگا دیا ہے) جس وجہ سے میں آپ کے پاس جانیں سکتا تھا آپ کے سامنے منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اتنے میں میرے پاس میرا چچا رفاعہ بھی آ گیا وہ مجھے پوچھنے لگا کہ کھیتجہ! کیا بنا؟ کیا کر کے آئے ہو؟ میں نے اسے رسول اللہ ﷺ کا جواب بتایا تو اس نے کہا: ”اللَّهُ الْمُسْتَعَانُ“

”اس چوری کے معاملہ میں اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے۔“

قنادہ کہتے ہیں تھوڑی دیر کے بعد آسمان سے قرآن نازل ہو گیا:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ

بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِسِينَ خَصِيمًا﴾ [۱۰۵]

خائنین سے مراد بنو ابیرق ہیں اور قنادہ کو جو نبی ﷺ نے فرمایا تھا اور اس کی وجہ سے قنادہ نادم و پریشان ہوئے تھے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا ﴿وَاسْتَغْفِرِ اللَّهُ﴾ کہ آپ اللہ سے بخشش مانگئے۔ بہر حال رسول اللہ ﷺ نے ان آیات کے نازل ہونے کے بعد بنو ابیرق سے چوری کیا ہوا مال برآمد کر کے رفاعہ کے حوالے کیا تو

انھوں نے وہ مال فی سبیل اللہ دے دیا اور بخوابرق میں بُشیر مرتد ہو گیا۔ اس کے متعلق نساء کی آیت نمبر ۵۵ انازل ہوئی ﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ﴾ [دیکھیے، ترمذی شریف، تفسیر سورة النساء، رقم: ۳۰۳۶]

عالم اسباب میں ایک دوسرے سے تعاون لینا اور تعاون کرنا اگرچہ جائز ہے لیکن پھر بھی اس کے میسر ہونے اور اس کے پایہ تکمیل تک پہنچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد ضروری ہوتی ہے۔ کیوں کہ اللہ ہی غیبی طور پر مسبب الاسباب ہے اور وہی غیبی طور پر وہ تمام موانع اور رکاوٹیں ختم کرنے والا ہے جو کسی بھی کام کے پورا ہونے یا کسی بھی چیز یا نعمت کے حاصل ہونے میں آڑے آسکتی ہیں۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ﴾ [النحل: ۵۳]

”تمہارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں سب اسی کی طرف سے ہیں۔“

اس فرمان الہی میں تمام نعمتیں داخل ہیں چاہے وہ عالم اسباب کے تحت ہوں یا عالم اسباب کے ماوراء ہوں۔ یعنی ان کا تعلق امور عادیہ کے ساتھ ہو یا غیر عادیہ کے ساتھ۔ کیا آپ حضرات نے دیکھا نہیں کہ انسان موٹر سائیکل پر کسی کام کی غرض سے نکلتا ہے راستہ میں اچانک اس کی موٹر سائیکل جواب دے جاتی ہے، چلنے کا نام ہی نہیں لیتی۔ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ ایک بزنس مین کوئی تجارت شروع کرتا ہے اسے بھاری نقصان اٹھانا پڑتا ہے جب کہ اس کا ساتھی بھی بعینہ وہی تجارت کرتا ہے لیکن اسے انتہائی نفع ہوتا ہے۔ اسی لیے تو ان ظاہری وسائل اور اسباب پر توکل نہیں کیا جاتا کیوں کہ ان پر توکل کرنا منع ہے۔ صرف اللہ پر توکل کرنے کا حکم ہے:

﴿وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾

[آل عمران: ۱۶۰، المائدہ: ۱۱، التوبة: ۵۱، ابراہیم: ۱۱]

”یعنی ایمان والے صرف اللہ پر ہی توکل و بھروسہ کریں۔“

آپ حضرات دیکھیں نبی ﷺ جہاد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے اس جہاد کو فتح و کامیابی کے مراحل تک پہنچانے کے

لیے صرف اللہ ہی سے مدد مانگتے تھے، اسی پر توکل و بھروسہ کرتے تھے۔

﴿فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾ [آل عمران: ۱۵۹]

”پس جب تم عزم کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔“

﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ﴾ [الفرقان: ۵۸]

”اس ازلی وابدی زندہ پر توکل و بھروسہ کیجیے جسے موت نہیں آئے گی۔“

مطلب یہ ہے کہ ہر کام میں اسی پر توکل اور بھروسہ کرو۔ اس فرماتے ہیں:

”إِذَا كَرِهَ أَمْرٌ قَالَ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيْثُ“ [ترمذی]

”آپ ﷺ کو جب کوئی پریشانی پہنچتی تھی، غم لاحق ہوتا تھا تو فرماتے تھے: اے جی اور قیوم! میں تیری ہی رحمت کے ساتھ تجھ سے فریاد رسی چاہتا ہوں۔“ (چاہے عالم اسباب سے متعلق ہو یا عالم اسباب کے ماوراء ہو۔)

جب تک اللہ کی مدد و نصرت اور توفیق شامل حال نہ ہو وہ کام نہ ہی میسر ہو سکتا ہے اور نہ ہی پایہ تکمیل کو پہنچ سکتا ہے۔ صرف وہی ایسی صورت حال پیدا کر سکتا ہے جس سے دشمن پر غلبہ حاصل ہو سکتا ہے اس کے علاوہ کسی کی قدرت میں نہیں ہے۔ اسی لیے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لَيْسَ أَلْ أَحَدُكُمْ رَبَّةٌ حَاجَتُهُ كُلُّهَا حَتَّى يَسْأَلَهُ شَيْعٌ نَعْلَهُ إِذَا انْقَطَعَ“ [مجمع الزوائد: ۱۰/۲۲۸]

ترمذی، ابن حبان: ۲۴۰۲

”تم اپنی تمام حاجات و ضروریات اپنے رب تعالیٰ سے مانگا کرو حتیٰ کہ تمہاری جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اسی سے مانگا کرو۔“

ایک روایت میں حَتَّى يَسْأَلَهُ الْمَلْحُ کے الفاظ بھی ہیں ”حتیٰ کہ نمک کا سوال بھی اسی سے کرو۔“ یعنی عالم اسباب میں میسر ہونے والے امور میں بھی اللہ کی غیبی مدد کی ضرورت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

فرماتی ہیں:

”سَلُّوا اللَّهَ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى الشَّيْءِ فَإِنَّ اللَّهَ إِنْ لَمْ يُمَسِّرْهُ لَمْ يَتَبَسَّرْ“ [شعب الایمان للبيهقي: ۲/ ۴۲، مسند ابی یعلیٰ: ۴۵۶۰، المطالب العالیہ: ۳/ ۲۳۲]

”تم ہر شے اللہ سے مانگا کرو یہاں تک کہ جوتی کا تمہ ٹوٹ جائے تو بھی اس سے مانگا کرو۔ کیوں کہ اگر اللہ تعالیٰ وہ تمہ میسر نہ کرے تو وہ میسر نہیں ہو سکتا۔“

تمہ اور تمک بلکہ ہر چیز کے حاصل ہونے کے اسباب پیدا کرنے پر اللہ ہی قادر ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا مثلاً ایک بڑی فیکٹری ہوتی ہے جس میں ایک سو کار ریگر اور مزدور کام کرتے ہوں لیکن روزانہ ان میں سے بعض کو کوئی نہ کوئی رکاوٹ پیش آ جاتی ہے کبھی کوئی بیمار ہو گیا، کسی کو آنے کے لیے گاڑی میسر نہ ہو سکی، کسی کا مہمان آ گیا، کسی کی فوننگی ہو گئی کسی کی بیوی یا بیٹا یا بیٹی وغیرہ بیمار ہو گئے، کسی کو کوئی زخم ہو گیا جس کی وجہ سے وہ کام نہیں کر سکتا کسی کو کسی شادی پر جانا پڑ گیا و علیٰ ہذا القیاس۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ سے ہی دعا کرتے رہنا چاہیے اسی سے مدد طلب کرتے رہنا چاہیے تاکہ وہ ہمیں ہر طرح کی مصیبت سے بچائے اور ہمارے حالات درست رکھے جن کو دنیا میں خود مصائب اور تکالیف پہنچتی رہی ہیں وہ اپنی مصیبت کو خود دور کرنے پر قادر نہ تھے وہ دوسروں کی مصیبتیں اور مشکلات کس طرح دور کر سکتے ہیں؟ ان اللہ کے نبیوں اور نیک ولیوں نے جس مولائے کریم اور مشکل کشا اللہ کو پکارا ہے اور اس اللہ نے ان کی تکالیف کو جلد یا بدیر دور کیا اور انہیں مایوس کیا تو ہم بھی اسی کو پکاریں وہ ہماری تکالیف کو دور کرنے پر بھی قادر ہے اور اس سے وہ خوش بھی ہوتا ہے۔

دیکھئے حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں مغموم تھے۔ انھوں نے اسی کو پکارا تھا تو اس نے انھیں نجات دلا دی تھی۔ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے تنگ آ کر اسی کو پکارا تھا۔ تو اس نے انھیں بھی نجات دلائی تھی

اور ان کی قوم کو غرق کر دیا تھا۔ [انبیاء: ۷۶، الشعراء: ۱۲۰]

موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم نے فرعون کی اذیتوں سے تنگ آ کر اللہ ہی سے مدد چاہی تھی۔ [اعراف: ۱۲۸] تو اللہ نے انھیں بھی نجات دلائی تھی اور فرعون کو اس کی قوم سمیت بحر قزقم میں غرق کر دیا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں پڑے پڑے صرف اللہ ہی سے مدد چاہی تھی اللہ نے انھیں بھی نجات دے دی تھی۔ فرعون کی بیوی آسیہ نے فرعون کے مظالم سے تنگ آ کر صرف اللہ ہی کو پکارا تھا اللہ نے اسے بھی نجات دے دی تھی۔

﴿رَبِّ نَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ﴾ [التحریم: ۱۱]

موسیٰ علیہ السلام فرعون کے سامنے جانے سے جھجکتے تھے، خوف کھاتے تھے کہ کہیں وہ انھیں مار ہی نہ دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو غم سے نجات دی تھی۔

﴿فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ﴾ [طہ: ۴۰]

محمد رسول اللہ ﷺ پر بھی دنیا میں مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ انھوں نے بھی ہر موقع پر، قدم قدم پر اللہ ہی سے فریاد کی تھی اور مدد چاہی تھی اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرتے رہے کفار مکہ اور یہود کی طرف سے کئی دفعہ آپ کے قتل کے پروگرام بھی بنائے گئے لیکن اللہ آپ کی مدد فرماتے رہے۔ ان تمام واقعات میں ایک قوی دلیل ہے کہ انبیاء دنیا کو تو حید کا درس بتانے کے لیے آئے تھے اور شرک سے روکنے کے لیے آئے تھے کسی نبی نے بھی اپنی امت یا قوم کو کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ تمہیں جب کوئی مصیبت آ جائے، لاچار ہو بے کس ہو جاؤ تو مجھے پکار لینا نہیں، نہیں، کبھی نہیں بلکہ وہ اللہ ہی کو پکارنے کا حکم دیتے تھے۔ ایک شخص نے تو رسول اللہ ﷺ کے متعلق فقط اتنا ہی کہہ دیا تھا: ”مَا شَاءَ اللَّهُ وَمَا شِئْتُ“ کام اس طرح ہوتا ہے جس طرح اللہ چاہے اور جس طرح آپ چاہیں۔ تو آپ نے فوراً اس بات کا نوٹس لیتے ہوئے تنبیہ فرمائی کہ ((أَجْعَلْتَنِيْ لِلَّهِ نِدًّا)) کیا تو نے مجھے اللہ کے برابر کر دیا ہے؟ ایسے نہ کہہ بلکہ مَا شَاءَ

اللہ کہو۔ [مسند احمد، نسائی، ابن ماجہ، الادب المفرد]

آج بہت سے لوگ ایسے پائے جاتے ہیں جب انھیں کوئی بھی مصیبت پہنچتی ہے یا مصیبت نہیں بھی پہنچی ہوتی بس ان کی زبانوں پر اپنے اپنے پیروں اور مرشدوں کے نام اور ان کے القاب آجاتے ہیں جب کوئی مسئلہ بنتا ہے تو فوراً انہیں کے القاب سے ان سے مدد مانگتے ہیں، ان کے آگے خشوع و خضوع کرتے ہیں، گڑگڑاتے ہیں جیسا کہ مشہور مفسر قرآن علامہ آلوسی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آپ حضرات ذرا اس عراقی عالم اور بغداد کے مفتی و مفسر سید محمود آلوسی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کے اس فرمان کا ترجمہ بھی سماعت فرمائیں:

”آپ حضرات جانتے ہی ہوں گے کہ آج یعنی دورِ حاضر میں

لوگوں کو خشکی یا سمندر میں کوئی خطرناک صورتِ حال اور بڑی

پریشانی اور مصیبت پیش آجائے تو وہ اپنے ان بزرگوں کو

پکارنے لگتے ہیں جو انھیں نہ نقصان دے سکتے ہیں اور نہ ہی

نفع، اور نہ ہی وہ دیکھتے ہیں اور نہ ہی سنتے ہیں۔“ چنانچہ

بعض حضرات تو خضر اور الیاس علیہ السلام کو پکارتے ہیں۔

بعض اپنے پیر ابو النخیس اور عباس کو آواز دیتے ہیں۔

بعض اماموں میں سے کسی امام سے فریاد دہی چاہتے ہیں۔

بعض لوگ امت کے مشائخ میں سے کسی شیخ (بزرگ) کے آگے

گڑگڑاتے ہیں اور ان لوگوں میں سے آپ کو کوئی بھی ایسا شخص نظر نہیں

آئے گا جو ایسی خطرناک صورتِ حال پیش آنے کے وقت صرف اپنے

مشکل کشا مولا یعنی اللہ تعالیٰ کے آگے گڑگڑاتا اور آہ و زاری کرتا ہو اور

اسی سے دعا کرتا ہو اور آپ کو کوئی ایسا شخص دکھائی نہیں دیتا کہ جس کے

دل میں یہ خیال آئے کہ اگر میں اپنے اکیلے اللہ کو پکاروں گا تو اس کی مدد

اور نصرت سے ان تمام مشکلات اور ہولناکیوں سے نجات پا جاؤں گا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ (اے مخاطب!) میں اللہ کی قسم

دے کر آپ سے یہ بات پوچھتا ہوں کہ مجھے یہ بتاؤ کہ ان دونوں

فریقوں میں اس اعتبار سے کون سیدھے راستے پر ہے اور ان دونوں

پکارنے اور مدد مانگنے والوں میں سے کون زیادہ سچا ہے۔ یعنی ایک فریق

تو عرب کے مشرک تھے جو سمندر میں کشتی پر سوار ہوتے وقت جب کشتی کے سمندر کی موجوں میں غرق ہونے کا خطرہ محسوس کرتے تھے تو خالص اعتقاد کر کے صرف اللہ ہی کو پکارتے تھے اور اسی سے نجات چاہتے تھے۔ اور دوسرا فریق دورِ حاضر کے وہ جاہل لوگ ہیں جو مسلمانی کا دعویٰ کرنے کے باوجود بھی ایسی خطرناک صورتِ حال کے پیش آنے کے وقت اللہ کو چھوڑ کر اپنے بزرگوں سے ہی فریاد کرتے ہیں، انھیں کو پکارتے ہیں، انھیں کے آگے گڑگڑاتے ہیں اللہ تعالیٰ کو بالکل ہی بھول جاتے ہیں۔

اب بتاؤ اس خطرناک اور نازک موقع پر دونوں فریقوں میں سے

کون سا فریق صحیح راستہ اختیار کرتا ہے؟ اور کون سچا ہے؟ اور اس دورِ

حاضر کے اس فریق کے اس غلط رویے کا اللہ تعالیٰ ہی سے شکوہ ہے۔

یہ ایسا دور ہے کہ اس میں جہالت کا طوفان برپا ہے۔ ضلالت

و گمراہی کی موجیں باہم ٹکرا رہی ہیں، اور انھوں نے شریعت کی کشتی میں

سورخ کر دیئے ہیں۔ اور غیر اللہ سے استعانت و استغاثہ (فریاد دہی

چاہنا) کو ہی اپنی نجات کا میاں بنا لیا ہے اور اہل معرفت و علم

کے لیے امر بالمعروف (نیکی کا حکم کرنا) مشکل ہو گیا ہے اور برے اور

غلط کاموں سے روکنے کے آگے موت جیسی سخت مشکلات حائل ہو گئی

ہیں۔ [تفسیر روح المعانی، تفسیر سورة یونس: ۲۲، جزء: ۱۱،

ص: ۹۸، سطر: ۵ تا ۱۲]



تقسیم لٹریچر

”مسلمان کے شب و روز کا دستور العمل“ مرتبہ مولانا خالد

گھر جاکھی مرحوم، زیر تقسیم ہے۔ احباب مبلغ ۴ روپے کے ڈاکٹ ٹکٹ

بھیج کر حاصل کریں۔

مذکورہ پمفلٹ مسنون دعاؤں پر مشتمل ہے، اردو میں ترجمہ بھی کیا

گیا ہے۔ [ٹیکل ٹریڈرز، کبھی گلی نمبر، کراچی]

عید میلاد النبی ﷺ

شرعی حیثیت اور تاریخی پس منظر

حافظ حبیب الرحمن حنیف، سندر / طالبہ مدرسہ تدیس القرآن والحديث، وسن پورہ۔ لاہور

کتابوں سے تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ان تمام سوالات سے پہلے میں بدعت کی لغوی، اصطلاحی اور شرعی تعریف کرنا ضروری خیال کرتا ہوں تاکہ آنے والی آیات و احادیث اور آثار صحابہ کو سمجھنے میں آسانی رہے۔

بدعت کی لغوی تعریف

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی رقم طراز ہیں:

”بدعة با الکسر، الحدث فی الدین بعد الاکمال

او ما استحدث بعد النبی ﷺ من الالهواء

والاعمال۔“ [القاموس المحيط: ۳/۳]

”بدعت باء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ ایسی چیز کو جو تکمیل دین

کے بعد نکالی جائے، یا ایسے اعمال و خواہشات جو رسول

اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اختراع کر لیے جائیں۔“

علامہ محمد بن ابی بکر الرازی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”البدعة: الحدث فی الدین بعد الاکمال“ [مختار

الصحاح، ص: ۱۸ طبع مکتبہ لبنان: ۱۹۸۶ء]

یعنی ”دین مکمل ہونے کے بعد دین میں کسی نئی چیز کو داخل

کرنے کا نام بدعت ہے۔“

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ہی کل شیء عمل علی غیر مثال سابق“

[شرح مسلم للنووی: ۱/۲۸۵]

①

ماہ ربیع الاول کی آمد آمد ہے۔ ربیع الاول کا چاند نظر آنے کی دیر ہے اس کے طلوع ہوتے ہی بارہ دنوں کے لیے پورے ملک میں ایک شور برپا ہو جائے گا۔ عشق و سرمستی کی ایک نئی لہر اٹھ پڑے گی، سیرت مصطفیٰ ﷺ کے عنوان سے جلسے ہوں گے، میلاد کی محفلیں سبیں گی، جلوس نکلیں گے، چراغاں ہوگا، پلاؤ پکے گا، مرغ بریانیوں کا دور چلے گا، مجلسوں اور جلوسوں پر عطر چھڑکا جائے گا، لوبان اور اگر بتیاں سلگائی جائیں گی، نعت خوانوں کی چاندی ہوگی، عشق کا بازار سجے گا، گلیوں اور بازاروں میں کعبۃ اللہ اور روضہ نبوی ﷺ کی ڈالیاں پھرائی جائیں گی، اونٹوں کا سنگھار ہوگا، عربی لباس کا سوانگ بھرا جائے گا، اونٹ نکالے جائیں گے، گتہ بازی ہوگی، فلمی گانوں کی طرز پر نعت خوانیاں ہوں گی، مولویوں کی تقریریں ہوں گی، اور ”وہابیوں“ پر طعن و تشنیع کا بازار گرم کیا جائے گا۔

ان تمام حالات میں ہمیں سوچنا ہوگا کہ ایک مسلمان ہونے کے ناطے کیا ہمیں قرآن ان تمام کاموں کی اجازت دیتا ہے؟ کیا رسول خدا ﷺ نے ہمیں اس کی اجازت دی ہے؟ کیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ فعل کیا ہے؟ اور ان کے بعد تابعین، تبع تابعین اور سلف صالحین کا اس پر عمل تھا؟

ہم ان تمام سوالات کا جواب قرآن و حدیث اور تاریخ و سیر کی

یعنی ”ہر وہ چیز جو سابقہ نمونہ سے ہٹ کر کی جائے۔“

مندرجہ بالا توضیحات سے یہ بات سامنے آتی ہے ہر ایسی چیز کو ایجاد کرنا بدعت ہے۔ جس کا نمونہ اور وجود پہلے موجود نہ ہو۔

بدعت کا شرعی معنی

امام ابواسحاق شاطبی رحمہ اللہ بدعت کی شرعی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”طريقة في الدين مخترعة تضاهي الشرعية يقصد بالسلوك عليها المبالغة في التعبد لله سبحانه۔“

[الاعتصام للشاطبي: ۱۹/۱]

یعنی ”دین کے اندر ایسا نو ایجاد طریقہ جو مشابہہ بالسنہ ہو اور اس پر عمل کرنے سے اللہ کی عبادت میں مبالغہ مقصود ہو۔“

اس کی مزید توضیح مولانا عبدالغنی خان کی کتاب (کتاب الحجۃ الاہل السنۃ) کی اس عبارت سے ہو جاتی ہے جو انھوں نے بحرالائق اور درمختار کے حوالے سے نقل کی ہے، لکھتے ہیں:

”البدعة ما احدث على خلاف الحق المتلقى من رسول الله ﷺ من علم او عمل او حال بنوع شبهة او استحسان وجعل ديناً قويمياً وصراطاً مستقيماً۔“

یعنی ”بدعت وہ کام ہے جو رسول اللہ ﷺ سے حاصل کردہ سچے علم و عمل اور حالت کے خلاف شبہ کے طور اور اچھا سمجھ کر ایجاد کیا جائے اور اس کو دین تویم (عین دین) اور صراط مستقیم بنالیا گیا ہو۔“

ان عبارات کو بنظر غائر دیکھنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہر وہ نیا کام جو عبادت اور ثواب جان کر دین میں داخل کر دیا گیا ہو وہ بدعت ہے، اور شریعت اسلامیہ کی رو سے مردود ہے۔

جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«من عمل عملاً ليس عليه امرنا فهو رد»

”جس کسی نے کوئی ایسا کام کیا جس کے کرنے کا ہم نے حکم

نہیں دیا تو وہ (عمل) مردود ہے۔“ [مسلم: ۱۷۱۷/۱۸]

اسی طرح ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«من احدث في امرنا هذا ما ليس فيه فهو رد»

[بخاری: ۲۶۹۷]

یعنی ”جس کسی نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی جو

اس (دین) میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔“

امام بغوی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا ہے:

”من احدث في ديننا ما ليس منه فهو رد۔“

[شرح السنة للبغوي باب رد البدع والاهواء]

یعنی اس روایت میں (امرنا) کی تفسیر (دیننا) سے کی ہے۔ یعنی

امر سے مراد دین ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اہل بدعت سے جب یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کام بدعت ہے اس کا قرآن و سنت میں کوئی جواز نہیں ہے۔ تو جواب میں یہ بے پرکی چھوڑی جاتی ہے کہ وہ پھر گھڑی پہننا، سائیکل چلانا، غرضیکہ دور حاضر کی تمام جدید چیزوں کا نام لے کر گنوا یا جاتا ہے کہ یہ بھی تو نبی ﷺ کے زمانے میں نہیں تھیں پھر تو ان کا استعمال بھی بدعت ہوا۔ [انتہی]

(جواب): محترم گزارش یہ ہے کہ نبی ﷺ کے اس فرمان (امرنا)

اور (دیننا) کے الفاظ نے مقید کر دیا ہے کہ دین کے اندر کسی نئی چیز کو ایجاد کرنے کا نام بدعت ہے۔ اس کی مزید تائید اس واقعہ کے اندر بھی موجود ہے۔ جس کو حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح

میں نقل کیا ہے۔ اور امام تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مشکوٰۃ المصابیح میں مسلم کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ واقعہ مندرجہ ذیل ہے۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو اس وقت ہم (اہل مدینہ) کھجوروں کو پیوند لگایا کرتے تھے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حیرانگی سے پوچھا) تم یہ کیا کرتے ہو تو لوگوں نے بتلایا کہ ہم ایسا اس لیے کرتے ہیں (تا کہ درخت پھل زیادہ دیں) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم ایسا نہ کرو تو امید ہے کہ بہتر (نتیجہ برآمد) ہو۔ تو (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر) لوگوں نے ایسا کرنا چھوڑ دیا تو (کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا بلکہ) درختوں نے پہلے کی نسبت کم پھل دیا۔ اس پر لوگوں نے آپ کے سامنے شکایت کی (کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ معاملہ بن چکا ہے) تو یہاں پر آپ نے جواب میں جوار شاد فرمایا اس کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

«فَقَالَ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ أَمْرِ دِينِكُمْ فَخُذُوا بِهِ وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَأْيِي فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ»
[مشکوٰۃ المصابیح، باب الاعتصام، بالكتاب والسنة،

الفصل الاول، ص: ۲۸]

”آپ نے فرمایا کہ میں بھی بشر ہوں جب میں تمہیں دین کے معاملے میں کوئی حکم دوں تو تم اس کو تھام لو اور جب (دین کے علاوہ کسی دنیاوی معاملے میں) اپنی رائے کو پیش کروں تو (تم کو اس میں اختیار ہے) کیوں کہ میں بشر ہوں۔“

مندرجہ بالا توضیح سے ثابت ہوا کہ شریعت میں بدعت اسی کام کو کہتے ہیں جو نیکی سمجھ کر دین میں داخل کیا جائے۔

اتنی تمہید کے بعد اب ہم بلا تاخیر اپنے اصل عنوان کی طرف آتے ہیں۔

سب سے پہلے ہم یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کیا قرآن وحدیث میں جشن عید میلاد النبی کا وجود پایا جاتا ہے یا نہیں؟

اس کا آسان جواب یہی ہے کہ یہ عید منانے کی ریت جس طرح

دور حاضر کے نام نہاد علماء بڑے زور وشور سے مناتے ہیں قرآن، حدیث، خیر القرون میں اس کا صحیح سند کے ساتھ کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کے نام کی یہ عید منائی جاتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعد آپ کی حیات مبارکہ میں تیسری مرتبہ یہ دن آیا لیکن آپ نے کبھی بھی اس کو عید قرار دے کر اس کے لیے خصوصی محافل کا اہتمام نہیں فرمایا اور نہ ہی اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ امر فرمایا ہے۔ ایسے ہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں دو مرتبہ یہ دن آیا، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں گیارہ مرتبہ یہ دن وارد ہوا، داماد رسول حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بارہ مرتبہ یہ دن آیا اور داماد رسول حضرت علی علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پانچ مرتبہ اس دن کا سورج طلوع ہوا اور حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بیس مرتبہ اور اس دنیا فانی سے سب سے آخر میں کوچ کرنے والے صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو طفیل رضی اللہ عنہ کی زندگی میں بارہا مرتبہ یہ دن آیا لیکن کسی بھی صحابی نے اس کا اہتمام کرنا تو دور کی بات اس خیال کا اظہار بھی کبھی نہیں کیا۔

اسی طرح امام ابوحنیفہ، امام دارالہجۃ امام مالک، امام مدینہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ایام زندگی میں کئی بار یہ دن آیا کسی ایک امام نے بھی اس کا اہتمام نہیں فرمایا اور نہ ہی ان کی کسی کتاب میں اس کا ذکر بھی ملتا ہے۔

قارئین کرام ذرا غور کیجیے! اگر اس (خود ساختہ) عید کا تعلق دین سے ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ نبوت میں اس کا ضرورتاً تذکرہ فرماتے۔ اگر یہ دین میں بھی شامل ہے اور قرآن وحدیث میں اس کا کسی جگہ تذکرہ بھی موجود نہیں تو پھر ﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ [المائدہ: ۳] آج کے دن میں نے تم پر اپنا دین مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت کا اتمام کر دیا ہے اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا ہے۔“

اس آیت کریمہ کے نزول کا کیا معنی ہے۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

نعوذ باللہ مکمل دین ہم تک پہنچانے میں کوتاہی فرمائی۔

اگر آپ کا ایمان ہے اور یقیناً ہے کہ آپ ﷺ نے دین پہنچانے میں کوتاہی سے کام لیا ہے تو پھر یقین چاہیے کہ اس عمل کا تعلق بھی آپ ﷺ کی شریعت سے نہیں ہے۔ بلکہ تکمیل دین کے بعد ایسا عمل کرنا احداث فی الدین کہلاتا ہے۔

جب ہم معلوم کر چکے ہیں کہ اس عمل کا تعلق رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے نہیں آپ کے بعد خلفائے راشدین کے دور خلافت میں بھی اس کا کوئی وجود نہیں ملتا اور نہ ہی ائمہ اربعہ نے اس کا کہیں تذکرہ کیا ہے تو ہمارے ذہن میں اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ پھر اس کا مبدع اور مخترع کون ہے؟ کس زمانہ میں اس بدعت کا آغاز ہوا؟ اور کس نے اس کی ابتداء کی؟

ان تمام سوالات کا جواب ہم تاریخ اسلامی کی روشنی میں معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ان سوالات کے جواب کو تلاش کرنے سے پہلے ہم یہ معلوم کرتے ہیں کہ کیا آپ ﷺ کی تاریخ پیدائش واقعی ۱۲ ربیع الاول ہے؟

آپ ﷺ کی تاریخ پیدائش

چند برس پہلے تک ۱۲ ربیع الاول ۱۲ وفات کے طور پر منائی جاتی تھی۔ لیکن جب اس بدعتی قوم نے دیکھا کہ ”وفات النبی“ کے درد بھرے موقع پر ہمارا اصل مقصود (دولت کمانا) پورا نہیں ہوتا تو انھوں نے اسے ”جشن عید میلاد“ کا نام دے کر اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنا شروع کر دیا۔ جب کہ اگر تاریخ و سیر کی کتابوں کی ورق گردانی کی جائے تو نتیجتاً یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ ﷺ کی تاریخ پیدائش میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

زرقانی [ج: ۱، ص: ۳۰] میں ہے کہ بعض علماء کا یہ موقف ہے کہ آپ ﷺ ربیع الاخر میں پیدا ہوئے، بعض ماہ صفر میں آپ ﷺ کی پیدائش کے قائل ہیں بعض کہتے ہیں کہ آپ ﷺ رمضان المبارک میں

پیدا ہوئے۔ مگر صحیح بات یہی ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش ربیع الاول میں ہوئی۔ اس کے بعد اس میں پھر اختلاف ہے کہ آپ کی پیدائش ربیع الاول کی کون سی تاریخ کو ہوئی؟

بعض علماء کہتے ہیں کہ آپ کی پیدائش دو ربیع الاول کو ہوئی، بعض آٹھ ربیع الاول بتاتے ہیں۔ بعض نے نور ربیع الاول، بعض نے بارہ ربیع الاول اور اہل تشیع کے نزدیک سترہ ربیع الاول مشہور ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب ”ماثبت بالسنہ“ میں حضرت عبد اللہ بن عباس اور جبیر بن مطعم کا قول آٹھ ربیع الاول نقل فرمایا ہے۔

علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب سیرت النبی میں اور علامہ قاضی سلیمان سلمان منصور پوری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب رحمۃ للعالمین میں لکھا ہے کہ تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ریاضی دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا جس میں انھوں نے یہ دلائل ریاضی سے یہ ثابت کیا ہے کہ آپ کی ولادت نور ربیع الاول بروز دوشنبہ (سوموار) بمطابق اپریل ۵۷۱ء کو ہوئی۔

علامہ شبلی نعمانی نے اپنی کتاب سیرت النبی میں محمود پاشا فلکی کا جو استدلال نقل کیا ہے۔ وہ کئی صفحات پر مشتمل ہے جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

①..... صحیح بخاری میں ہے کہ ابراہیم (رسول اللہ ﷺ کے صغیر السن صاجز ادے) کے انتقال کے وقت آفتاب میں گہن لگا اور اس وقت آپ کی عمر کا ۶۳ واں سال تھا۔

②..... ریاضی کے قاعدے سے معلوم ہوتا ہے کہ دس جبری کا گرہن ۷ جنوری ۶۳۲ء کو ۸ بج کر ۳۱ منٹ پر لگا تھا۔

③..... اس حساب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر قمری برس ۶۳ برس پیچھے ہٹیں تو آپ کی پیدائش کا سال ۵۷۱ء ہے جس میں (قواعد ریاضی کی روشنی) میں ربیع الاول کی پہلی تاریخ ۱۲ اپریل ۵۷۱ء تھی۔

آپ کو آپ ﷺ کا امتی کہلانے والا اپنے محبوب رسول اللہ ﷺ کی وفات پر جھنڈیاں لگا کر، دکان سجاتا ہے، مصنوعی پہاڑیاں سجاتا، عمارتوں پر چراغاں کرتا، آپ ﷺ کی وفات کے دن طبلے اور ڈھول باجے بجاتا، گنگے کھیلتا ہے۔ فلمی دھنوں پر ناچتا، اور نام نہاد ملا اپنے گلے میں ہار ڈال کر بازاروں میں اوباش نوجوانوں کا ناچ دیکھتا ایک حیرت انگیز انکشاف اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی اپنی کتاب ”ملفوظات“ جلد نمبر ۳۲ پر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے متعلق اپنا عقیدہ بیان کرتے ہیں کہ پیرانہ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی سے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے اور ان کی آنکھ ہر وقت لوح محفوظ میں لگی ہوئی ہے۔ اس لیے کوئی ذرہ بھی ان کی نظر سے باہر نہیں ہے۔ انتہی

اب ذرا شیخ جیلانی رحمہ اللہ کی آنحضرت ﷺ کی تاریخ ولادت کے متعلق تحقیق ملاحظہ فرمائیے۔ شیخ جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”رسول اللہ ﷺ ۱۰ محرم کو پیدا ہوئے۔“

[غنیۃ الطالبین، ص: ۵۵، ج: ۲]

اس بدعت کی ابتدا کس نے کی

علامہ تقی الدین احمد بن علی المعروف بالمقریزی اپنی کتاب ”المواعظ والاعتبار و بذکر الخطوط والاثار“ کی جلد نمبر ۱، ص: ۴۹۰ پر تنبیہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

” ذکر الایام التی کان الخلفاء الفاطمیون
یتخذونها اعیاداً او مراسم بها احوال الرعیۃ وتکثر
نعمهم۔“

”ان ایام کا تذکرہ جن میں فاطمی خلفاء عیدین مناتے تھے جس کے ذریعے رعایا کے حالات کشادہ ہو جاتے اور ان کی نعمتیں کثیر ہو جاتیں۔“

اس عنوان کو قائم کرنے کے بعد اس کے تحت لکھتے ہیں:

” کان للخلفاء الفاطمیین فی طول السنة اعیاداً

④..... تاریخ ولادت میں اختلاف ہے لیکن اس قدر متفق علیہ ہے کہ وہ ربیع الاول کا مہینہ اور دوشنبہ (سوموار) کا دن تھا اور تاریخ ۸ سے لے کر ۱۲ کے درمیان ہے۔

⑤..... ربیع الاول مذکور کی ان تاریخوں میں دوشنبہ کا دن ربیع الاول کی نویں تاریخ میں پڑتا ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر تاریخ ولادت قطعاً ۲۰ اپریل ۵۷۱ء تھی۔ (واللہ اعلم)

[سیرت النبی الشبلی نعمانی، ص: ۷۱]

شاہ معین الدین احمد ندوی فرماتے ہیں:

عبداللہ (رسول اللہ ﷺ کے والد محترم) کی وفات کے چند مہینوں بعد عین موسم بہار اپریل ۵۷۱ء میں ”۹“ ربیع الاول کو عبداللہ کے گھر میں تولد ہوا۔ بوڑھے اور زخم خوردہ عبدالمطلب پوتے کی تولد کی خبر سن کر گھر آئے اور مولود بچہ کو خانہ کعبہ میں لے جا کر اس کے لیے دعا مانگی، ساتویں دن عقیقہ کر کے ”محمد ﷺ“ نام رکھا۔

[تاریخ اسلام، ج: ۱، ص: ۲۵]

مندرجہ بالا توضیحات سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ قطعی طور پر آپ کی ولادت کا دن بارہ ربیع الاول کو یقینی قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ نور ربیع الاول کے دن میں ولادت کے شواہد زیادہ اور پختہ ہیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

بہر حال آپ ﷺ کی ولادت میں اس قدر اختلاف کا پایا جانا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ۱۲ تاریخ متفق علیہ نہیں۔ اس لیے اس تاریخ کو آپ کے یوم پیدائش کو منانا دین کا جزو نہیں ہے۔ اگر میلاد منانا امر شرعی اور ضروری ہوتا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کی تصدیق اور جستجو کر کے کوئی ایک دن ضرور متعین کر لیتے۔ مگر جیسے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی قبر منور کو محفوظ کر لیا ہے اسی طرح آپ ﷺ کی پیدائش کے دن کو مخفی رکھ کر بدعات سے بچا لیا ہے۔ ہاں یہ بات مسلم ہے آپ ﷺ کی وفات ۱۲ ربیع الاول کو ہی ہوئی ہے۔ تعجب ہے کہ اپنے

ایک اشکال اور اس کا ازالہ

بعض کتب تاریخ میں عید میلاد کے موجد مظفر الدین کو کبوری کو بتلایا جاتا ہے، تو مندرجہ بالا توضیح اور اس روایت میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیوں کہ اس کے اول موجد رافضی ہی ہیں۔ ایک وقت میں خلیفہ افضل بن امیر الجیوش نے اس کو بند کر دیا۔ پھر اربل شہر میں دوبارہ اس کا اجراء مظفر الدین کو کبوری کے ایام میں ہوا۔ جو ایک عیاش اور فضول خرچ ظالم بادشاہ تھا۔ جس کو اس وقت محفل میلاد کے لیے قرآن و سنت کی نصوص کو مختلف تاویلات سے الجھا کر مواد فراہم کرنے والا ایک مولوی مل گیا جس نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھ کر ایک ہزار دینار انعام حاصل کیا۔ جس نام ”التنویر فی مولد البشیر والنذیر“ رکھا۔

[دیکھیے البدایہ والنہایہ: ۱۳/۱۲۴، وفیات الاعیان: ۳/۴۴۹، ۱۱۹/۴ والحاوی للفتاویٰ: ۱۸۹/۱]

اس مولوی کا مکمل نام عمر بن حسن ابوالخطاب بن وجیہ الاندلسی المشہور ابن وجیہ کلی ہے۔ یہ آدمی بہت ہی زبان دراز، متہم بالکذب، خبیث اللسان متکبر، اور دینی امور میں تہی دامن اور سخت سست تھا۔

[دیکھیے لسان المیزان: ۴/۲۹۶]

ایسے ہی پیٹ پرست ملاؤں اور عیاش بادشاہوں کے متعلق عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا تھا۔

هل بدل الدين الا الملوک

واحبار سوء ورهبانہا

دین کو (عیاش) بادشاہوں اور برے علماء کے علاوہ کسی اور نے نہیں بدلا۔

مجوزین میلاد کی دلیل کا مختصر جائزہ

میلاد کے جواز کا قائلین صحیح بخاری کی اس روایت سے میلاد کے جواز کے لیے استدلال کرتے ہوئے سادہ لوح عوام کو بہکانے کی کوشش کرتے ہیں۔ صحیح بخاری کتاب النکاح میں آتا ہے:

ومواسم وہی موسم راس السنة، وموسم اول العام ويوم عاشوراء ومولد النبی ﷺ ومولد علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ ومولد الحسن ومولد الحسين عليهما السلام ومولد فاطمة الزهراء عليها السلام ومولد الخليفة الحاضر۔“

”فاطمی خلفاء سال کے لمبے عرصے میں عیدیں اور تہوار مناتے تھے اور یہ تہوار سال کے شروع میں، عاشورے کے دن، میلاد النبی ﷺ اور میلاد علی اور میلاد حسن و حسین اور میلاد فاطمہ رضی اللہ عنہم اور موجودہ خلیفہ کا میلاد ہوتا ہے۔“ انتہی

علامہ مقریزی رحمہ اللہ کی اس توضیح سے معلوم ہوا کہ میلاد کے موجد فاطمی خلیفے تھے اور یہ بات تو ہر خاص و عام پر عیاں ہے کہ فاطمی خلیفے عقیدتاً رافضی شیعہ تھے اور یہ میلاد ان رافضی شیعوں کی ایجاد ہے اور وہ میلاد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ علی رضی اللہ عنہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی اولاد کا بھی میلاد مناتے تھے۔ [مزید فیصل کے لیے دیکھیے، شیخ اسماعیل بن محمد الانصاری کی کتاب ”القول الفصل فی حکم الاحتفال بمولد خیر الرسل“، ص: ۶۴ تا ۷۲]

یہ چھ مواعید اپنے رسم و رواج کے ساتھ جاری ہے یہاں تک افضل ابن امیر الجیوش نے آکر انھیں ختم کیا۔ مندرجہ بالا توضیح سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں فاطمی خلیفوں نے جن چھ میلادوں کو ایجاد کیا تھا ان میں سے ایک میلاد النبی ﷺ بھی تھی۔ اس سے قبل خیر القرون میں اس کا کہیں بھی تذکرہ نہیں ملتا۔ یہ شیعہ رافضیوں کی ایجاد ہے۔ جن کی ضلالت اور گمراہی میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ نہیں ہے۔

اور ہمارے بعض نام نہاد مسلمانوں نے روافض کی (۵) میلادوں کو ترک کر دیا اور ایک میلاد کو اختیار کر کے اسے محبت رسول کے نام سے جاری رکھا۔

”عروہ نے کہا کہ ٹویبہ ابولہب کی باندی تھی۔ جسے ابولہب نے آزاد کر دیا تھا۔ جس نے نبی کریم ﷺ کو دودھ بھی پلایا تھا۔ جب ابولہب مر گیا تو اس کے خاندان میں سے کسی نے اسے خواب میں بری حالت میں دیکھا تو اس نے (ابولہب سے) پوچھا تو نے کیا پایا؟ تو ابولہب نے جواب دیا کہ میں نے تمہارے بعد سکون نہیں پایا الا کہ ٹویبہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے ذرا سا پانی پلا دیا جاتا ہوں (اس نے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کے درمیان گڑھے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔)

[صحیح بخاری، کتاب النکاح، رقم: ۵۱۰۱]

مجوزین میلاد کہتے ہیں کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب کافر رسول اللہ ﷺ کی ولادت کی خوشی میں لونڈی آزاد کرے تو اس کے عذاب میں تخفیف ہوگئی تو مسلمان کی کیا شان ہے؟

(جواب): اولاً: یہ ایک خواب بیان کیا جا رہا ہے اور خواب بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام سے پہلے کا ہے، اور خواب دین میں حجت شرعی نہیں ہوتے۔

ثانیاً: یہ نص قرآنی کے خلاف ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ ابولہب کے متعلق فرماتے ہیں:

﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ﴾ [اللہب: ۱]

”ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہو جائیں۔“

جس کے ہاتھوں کے متعلق صریح نص قرآنی موجود ہے کہ وہ ہلاک ہیں۔ تو ان کی سلامتی کو ایک خواب سے ثابت کرنا کسی طور پر بھی مناسب نہیں۔

ثالثاً: یہ قرآن کریم کی اس آیت کے ظاہر کے بھی خلاف ہے۔

﴿وَقَدْ مَنَّا عَلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَلَجَعَلْنَاهُ حَبَآءً مَّنْثُورًا﴾

[الفرقان: ۲۳]

”اور انہوں نے جو جو اعمال کیے ہم ان کی طرف متوجہ ہو کر انہیں بکھرے ہوئے ذروں کی طرح کر دیں گے۔“

اسی طرح اللہ تعالیٰ کفار کے اعمال کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾

”اور جو بھی انھوں نے (ایچھے) اعمال کیے سب کے سب باطل اور رائیگاں گئے۔“ [ہود: ۱۶]

جب کہ اس خواب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کافر کو بھی اس کے اچھے اعمال قیامت کے دن نفع دیں گے۔

آپ خود ہی اپنی اداؤں پر غور کرو ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین

اعلان داخلہ

مدرسہ تدریس القرآن والحديث للبنات و سن پورہ، لاہور کے دونوں کیمپس (سن پورہ اور منصورہ) میں شعبہ دراسات الاسلامیہ (اڑھائی سالہ کورس) کے لیے محدود نشستوں پر داخلہ شروع ہے۔ صرف میٹرک اور ایف۔ اے پاس ذہین طالبات، مدرسہ کے مطبوعہ داخلہ فارم یکم سے ۱۰ اپریل ۲۰۰۷ء تک دفتر میں سابقہ سرٹیفکیٹس سمیت جمع کرا دیں۔ البتہ میٹرک اور ایف۔ اے کے امتحانات دینے والی طالبات اپنے اپنے امتحانات سے فراغت کے بعد دس دن کے اندر اندر داخلہ فارم جمع کرانے کی اہل ہوں گی۔

قواعد و ضوابط

① داخلہ عارضی طور پر تین ہفتوں کے لیے ہوگا، ② باقاعدہ داخلہ تین ہفتوں پر مشتمل اعدادی کلاس کے نتائج کی بنیاد پر ہوگا۔

نوٹ: حافظہ قرآن مجید، گریجویٹ اور ایم۔ اے طالبہ کو ترجیح دی جائے گی۔

رابطہ نمبرز

برائے سن پورہ: 042-6278550 / 0321-4337947

برائے منصورہ: 042-7002543 / 0321-4773771-72

معزز قارئین! دین دو چیزوں کا نام ہے: قرآن و سنت رسول۔
آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
«تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُم بِهِمَا:
كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّةَ رَسُولِهِ»
”کہ جب تک تم ان دونوں چیزوں کو مضبوطی سے تھامے رکھو
گے گمراہ نہیں ہو گے۔“

اور ان دونوں چیزوں کے علاوہ جو ہے اُسی کا نام بے دینی اور
بدعت ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ ہر خطبے میں ارشاد فرمایا کرتے تھے۔
«كُلُّ مُحَدَّثَةٍ بَدْعَةٌ وَكُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ
فِي النَّارِ»
”کہ..... دین میں..... ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت
گمراہی ہے، اور گمراہی آگ میں لے جانے والی ہے۔“

ان احادیث مبارکہ سے واضح ہے کہ اللہ کے دین میں اضافہ اور
بدعت ایک سنگین جرم ہے۔ بدعتی اللہ اور رسول ﷺ کی لعنت کا مستحق
ہوتا ہے اور اس کا آپ ﷺ سے کوئی تعلق نہیں اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔
بدعتی سے ہمارے مسلمان بھی آج اس گمراہی کا شکار ہیں اور
انھوں نے دین میں بے شمار بدعات کو رواج دیا ہے۔ رسم قل، چہلم،
قبروں پر مزارات، عمارات اور مساجد بنانا، غیر اللہ کو پکارنا اور ان سے
مدد مانگنا (جو شرک ہے)۔ اسی طرح ماہ ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کو
ملک کے طول و عرض میں عید میلاد النبی بڑے دھوم دھام سے منائی جاتی
ہے جس کا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اسے ایک عبادت، کارِ ثواب اور
عین دین سمجھا جاتا ہے۔ لیکن قابل غور امر یہ ہے کہ کثیر شریعت میں اس کا
کوئی ثبوت بھی ہے یا نہیں؟

قارئین کرام! حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں مروجہ عید
میلاد النبی ﷺ منانے کا سرے سے ذکر ہی نہیں نہ اشارۃً نہ وضاحتاً۔
اپنی پیدائش کے تقریباً ۶۳ برس اور خلعت نبوت سے سرفراز ہونے کے

رب کائنات نے انسانوں کی رشد و ہدایت کے لیے انہی میں
سے کچھ برگزیدہ اور مقدس ترین ہستیوں کو منتخب کیا جنھوں نے بندوں
تک پیغام الہی پہنچانے کا حق ادا کیا اور اپنی امت کے لیے خیر خواہ بن کر
دکھایا کیوں کہ ان کا منصب ہی خیر خواہی کی اساس پر قائم تھا۔ جیسا کہ
آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «الْدِّينُ النَّصِيحَةُ»
”کہ دین تو ہے ہی خیر خواہی کا نام۔“

یہ ہستیاں اپنی قوم کی طرف اللہ تعالیٰ کا نمائندہ ہوتی ہیں اور نبی
اللہ تعالیٰ کا نمائندہ ہونے کی وجہ سے جس تعلیم کا حامل اور داعی ہوتا ہے وہ
ہدایت و رشد کا اعلیٰ نمونہ ہوتی ہے۔ اس سے بہتر اور کوئی نمونہ نہیں
ہو سکتا۔ لیکن اس کے باوجود ہر قوم نے اپنے نبی کی تعلیمات کو مکدر کیا۔
اس کے اسباب تو شاید ہر دور میں مختلف رہے ہوں لیکن ایک سبب جس کا
تعلق اس تعلیم کے حاملین کے ساتھ ہے اور وہ تقریباً ہر قوم اور امت میں
مشترک رہا ہے، اور وہ اپنے نبی کی تعلیم کو اعمال خیر میں ناکافی سمجھتے
ہوئے اس میں اپنی طرف سے اضافہ ہے۔ جس سے وہ تعلیم اصلی حالت
میں نہ رہی بلکہ اس کی اصل شکل مخ ہو کر رہ گئی اور اس میں کئی طرح کی
خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ جب ہم سابقہ امم کی گمراہی کے اسباب تلاش
کرتے ہیں تو ان میں اصل تعلیم میں اپنی طرف سے اضافہ ہے اور یہ اتنا
بڑا جرم ہے کہ اس سے اصل دین کا حلیہ بگڑ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ
رسول اللہ ﷺ نے دین میں اضافہ کرنے والے پر لعنت بھی بھیجی ہے۔
آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«سِتَّةُ الْعَنَمِ..... وَفِيهَا الرَّاغِبُ عَنْ سُنَّتِي إِلَى بَدْعَةٍ»

”چھ اشخاص ایسے ہیں جن پر میں لعنت کرتا ہوں۔ ان پر اللہ
نے بھی لعنت کی ہے اور ہر نبی جس کی دعا قبول ہوئی۔ ان چھ
میں سے ایک شخص وہ ہے جو اللہ کے دین میں اضافہ کرتا ہے۔
اور دوسری روایت کے الفاظ میں ہے کہ میری سنت سے
اعراض کر کے بدعت کی طرف رغبت کرتا ہے۔“

بعد ۲۳ سال تک رسول اللہ ﷺ اس دنیا میں زندہ رہے۔ ہر سال ربیع الاول کا مہینہ آیا اور ہر بار اس کی بارہویں تاریخ بھی آئی۔ لیکن کسی ایک سال بھی آپ ﷺ نے اپنے میلاد کا جشن نہیں منایا۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے سچے جانشین خلفائے راشدین ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم کا دور خلافت تقریباً ۳۰ سال پر محیط ہے، ہر سال ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ آئی لیکن کسی ایک سال بھی جشن نہیں منایا گیا۔ خلفائے راشدین کے بعد کسی دوسرے صحابی اور اس کے بعد کسی محدث، کسی مجتہد کسی امام نے یہ جشن نہیں منایا۔ چوتھی صدی ہجری میں مصر کے فاطمی حکمران تھے، جنہوں نے اپنی حکومت میں استحکام کے لیے عیسائیوں کی نقل اور تقلید کرتے ہوئے اسلام میں اس بدعت کو ایجاد کیا۔

فاطمی کون تھے؟ تاریخ کے جھروکوں میں جھانکنے سے پتہ چلتا ہے کہ تیسری صدی کے آخر میں مغرب سے معد بن تیم کی اولاد نے مصر پر قبضہ کر کے وہاں اپنی حکومت قائم کر لی۔ بظاہر یہ لوگ خود کو سیدۃ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کی اولاد میں سے ہونے کا دعویٰ کرتے لیکن حقیقت اس کے برعکس تھی۔ نہ یہ نسباً فاطمی تھے اور نہ مذہباً شیعہ تھے۔ جن علماء اور مؤرخین نے تاریخ اسلامی میں مختلف پیدا ہونے والے فرقوں اور ان کے عقائد کو بیان کیا ہے وہ اس پر متفق ہیں کہ یہ لوگ باطنی تھے جو بظاہر تو اسلام کا نام لیتے تھے لیکن باطن میں کفر چھپائے ہوئے تھے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

جمہور ائمہ ان کے نسب میں طعن کرتے اور کہتے ہیں یہ مجوس یا یہود کی اولاد میں سے ہیں۔ یہ تمام مخلوق میں سے زیادہ جاہل ہیں ان کے پاس نہ نقل ہے، نہ عقل اور نہ ہی صحیح دین۔ ان کے باطل ہونے کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے تعلیمی اداروں میں حدیث کی تعلیم نہیں دی جاتی تھی بلکہ حدیث بیان کرنا موت قبول کرنے کے مترادف تھا (تو کیا انھیں محبت رسول قرار دیا جاسکتا ہے)۔ ان کا تعلیمی نصاب منطق، فلسفہ، الہیات اور طبوعات وغیرہ پر مشتمل تھا۔

معزز قارئین! یہ فاطمین ہی ہیں جن کے ہاتھوں جشن میلاد کا آغاز ہوا۔ ان کے باطل عقائد کی بنا پر مسلمان ان سے نفرت کرتے تھے

اور جب انھوں نے دیکھا کہ لوگ ان کے باطل عقائد کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ ان میں رسول اللہ کی محبت اور اس کا داعیہ موجزن ہے اور محبت رسول ﷺ پر اپنی ہر چیز قربان کر دیتے ہیں تو انھوں نے خود کو محبت رسول ثابت کرنے کے لیے جشن میلاد کا آغاز کیا، اور پھر ان کے سامنے نصاریٰ کی مثال بھی تھی کہ وہ کرسمس ڈے منا کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اپنا والہانہ تعلق ثابت کرتے ہیں۔ تو انھوں نے مسلمانوں میں بھی عیسائیوں جیسا حربہ آزمایا اور جشن میلاد کا انعقاد کیا۔ غیر مسلموں کے مقابلے میں خود بدعت ایجاد کر دی۔ مختصراً یہ کہ درحقیقت فاطمیوں کا اس جشن کے پس منظر میں سیاسی استحکام مقصود تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان کا اقتدار ختم ہوا تو یہ بدعت بھی ختم ہو گئی، اگر اس کا واقعی دین کے ساتھ کوئی تعلق ہوتا تو اہل مصر فاطمیوں کے بعد بھی اس کو جاری رکھتے لیکن مسلمانوں نے ایسا نہیں کیا۔ ایک دفعہ تو یہ بدعت اپنے اختتام کو پہنچی لیکن بد قسمتی سے ساتویں صدی ہجری میں دوبارہ اس کا احیاء ابوسعید کوکبوری کے ہاتھوں ہوا جو اہل کا حاکم تھا۔

تعارف: ابوسعید تصوف کا دلدادہ اور صوفیاء کا پیروکار تھا۔ یہ فضول خرچ، لہو و لعب کو پسند کرنے والا، ناچنے والا، اور ناچ گانے کا رسیا تھا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بادشاہ ربیع الاول میں محفل میلاد منعقد کیا کرتا تھا اور اس موقع پر جو فضول خرچی اور گانے ناچنے کا پروگرام ہوتا اس کے متعلق ایک چشم دید گواہ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ترجمہ: ”ایک آدمی جو ایک سال اس کی اس محفل میلاد میں شریک ہوا تھا، بیان کرتا ہے کہ اس کے دسترخوان پر ۵۰۰۰ بھنی ہوئی سریاں، دس ہزار مرغیاں، ایک لاکھ پیالے اور تیس ہزار حلوے کی پلیٹوں کا بندوبست کیا گیا، اور اس محفل کے موقع پر بڑے بڑے علماء اور صوفی لوگ جمع ہوتے تھے۔ اور ظہر سے فجر تک صوفیوں کی شراکت کے ساتھ یہ محفل ہوتی جس میں یہ خود بھی قصص کرتا تھا۔ ابن خلکان نے بھی اس فضول خرچ بادشاہ کا ذکر کرتے ہوئے اس کے ۴ منزلہ کٹری کے قے (جس میں وہ بھانڈوں، گانے والوں، میراثیوں کی ٹولیاں بٹھاتا) کا تذکرہ کیا ہے۔ ابن جوزی کے حوالے سے منقول ہے کہ یہ بادشاہ ہر

سال محفل میلاد پر تین لاکھ دینار خرچ کرتا تھا۔“

قارئین محترم! صرف اسی پہ بس نہیں ہوئی بلکہ جب شکم پرور اور دنیا پرست ملاؤں نے دیکھا کہ بڑے بڑے حاکم اور آفیسر، میلاد النبی ﷺ میں بڑی دلچسپی لیتے اور اسے پسند کرتے ہیں تو انھوں نے درباری اعزاز حاصل کرنے کے لیے نہ صرف اس کے جواز کا فتویٰ دیا بلکہ اس کی فضیلت میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے اور محفل میلاد کو حج کے قریب درجہ دے دیا، اور اس بدعت کے جواز میں فتویٰ دینے والا سب سے پہلا مولوی ابن دجیہ کلبی ہے۔ اس نے ابوسعید کے عیاشانہ اور مسرفانہ امور کو ثواب ثابت کرنے کے لیے عید میلاد کے متعلق ایک ضخیم کتاب ”السنویر فی مولد البشیر والنذیر“ کے نام سے لکھ ڈالی۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کتاب کے لکھنے پر اسے بادشاہ نے ایک ہزار دینار انعام دیا۔ کیوں کہ بادشاہ کی عیاشیوں کے لیے یہ دلیل اور حجت تھی۔ ابن دجیہ نہایت طمع خور اور لالچی قسم کا شخص تھا۔ آئیے دیکھتے ہیں کہ علمائے حدیث کی نظر میں اس کا کیا مقام تھا۔

ابن دجیہ علمائے حدیث کی نظر میں

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن نجار کہتے ہیں: میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اس بات پہ متفق تھے کہ وہ (ابن دجیہ کلبی) جھوٹا اور ضعیف ہے۔ اور جس سے اس نے نہیں سنا اس سے سماع کا دعوے دار ہے اور جس سے ملاقات نہیں کی اس سے ملاقات بھی ظاہر کرتا ہے۔ اور پھر اس کے جھوٹ کا واقعہ نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ابوالعلاء اصہبانی علی بن حسن بیان کرتے ہیں کہ میرے والد ابن دجیہ کا بہت احترام کرتے تھے۔ یہ میرے والد ماجد کے پاس حاضر ہوا اور اس کے پاس ایک مصلیٰ تھا، چوم کر کہنے لگا میں نے اس مصلیٰ پر ۱۰۰۰ رکعت نماز پڑھی ہے، اور خانہ کعبہ میں بیٹھ کر اس پر کئی دفعہ قرآن مجید پڑھا ہے۔ میرے والد صاحب نے بڑے تپاک اور محبت سے اس کو رکھ لیا۔ پچھلے پہر ایک اصہبانی بزرگ آگئے تو انھوں نے بتایا کہ ابن دجیہ کلبی نے آج بازار سے بڑا خوبصورت مصلیٰ خریدا ہے۔ میرے والد نے وہ مصلیٰ دکھایا تو اس بزرگ نے قسم کھا کر تصدیق کر دی کہ یہ تو اس نے

بازار سے خریدا ہے۔ اس کی بات سن کر میرے والد خاموش ہو گئے اور اس کے بعد ابن دجیہ کلبی ان کی نظر میں عزت نہ حاصل کر سکا۔

[لسان المیزان: ۴/ ۲۹۵]

دو قدم آگے

قارئین! ابن دجیہ کلبی نہ صرف خود جھوٹ بولتا تھا بلکہ دوسروں کو بھی اکساتا تھا کہ آپ بھی دنیاوی عزت و وقار کے لیے جھوٹ بولا کرو۔ ایسا ہی ایک واقعہ الحافظ ابوالحسن بن فضل کی زبانی ملاحظہ فرمائیں، فرماتے ہیں: ایک دفعہ ہم بادشاہ کی عام مجلس میں حاضر تھے، وہاں ابن دجیہ بھی موجود تھا۔ بادشاہ نے مجھے ایک حدیث بتانے کو کہا، میں نے بتا دی تو پھر پوچھنے لگا اس کو کس نے روایت کیا ہے۔ مجھے سند یاد نہیں تھی تو راستے میں مجھے ابن دجیہ کلبی ملا، اس نے کہا کہ تو نے بادشاہ کے سامنے کوئی سی سند ذکر کر دینا تھی۔ اس سے بادشاہ اور عوام کی نظر میں تیری عزت بن جانی تھی، ان کو کیا علم ہونا تھا صحیح ہے یا غلط۔ تو میں سمجھ گیا کہ یہ آدمی بڑا لاپرواہ اور بڑی ڈھٹائی سے جھوٹ بولنے والا ہے۔

محترم قارئین! اندازہ کیجیے کہ کس قدر جھوٹا آدمی ہے۔ جس کو آپ ﷺ پر جھوٹ بولنا بڑا آسان لگا اور اس نے اس معاملے میں لاپرواہی اختیار کی۔

قاضی ابن واصل مزید بیان کرتے ہیں کہ ابن دجیہ حدیث بیان کرنے میں بے تکی اور انکل پچو سے کام لیتا تھا۔

امام ابن نقطہ کا قول ہے کہ وہ ایسی چیزوں کا دعویدار تھا جن کی کوئی حقیقت نہ تھی۔

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ جشن میلاد کا انعقاد مختلف ادوار میں ہوا اور دونوں دفعہ احیاء کرنے والے کذاب قسم کے لوگ تھے، جن کے ضعف پر تمام علمائے امت یک زبان تھے۔ تو سوچیے پھر یہ جشن عبادت کیسے ہو سکتا ہے؟

مزید شرح صدر کے لیے میلاد النبی ﷺ کے بارے میں ائمہ کی رائے نقل کی جاتی ہے۔

عید میلاد النبی علماء کی نظر میں

..... امام ابن حجر فرماتے ہیں کہ محفل میلاد حقیقت میں ایک بدعت ہے۔ صحابہ، تابعین و تبع تابعین سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

..... علامہ عبدالرحمن مغربی حنفی اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں: محفل میلاد بدعت ہے۔ نبی اکرم ﷺ، صحابہ رضی اللہ عنہم، ائمہ اربعہ رحمہم اللہ نے نہ خود اس کو منع کیا ہے اور نہ کسی کو منع کرنے کی اجازت دی۔

..... علامہ ابن حجاج مالکی اپنی کتاب مدخل میں فرماتے ہیں۔ منجملہ بدعات میں ایک بدعت محفل میلاد النبی ﷺ ہے جسے لوگوں نے بہت بڑی عبادت اور اسلام میں سب سے بڑا شعار جان کر ایجاد کیا ہے۔

..... علامہ علاء الدین شافعی فرماتے ہیں محفل میلاد بدعت ہے اور اس کے منع کرنے والے مذمت کے قابل ہیں۔

..... امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اقتضاء الصراط المستقیم میں فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دیگر بدعات کی طرح ایک بدعت میلاد النبی ہے جسے مسلمانوں نے بظاہر محبت رسول اللہ ﷺ میں نصاریٰ کی مشابہت میں ایجاد کیا ہے (کہ وہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا میلاد ۲۵ دسمبر کو) (کرمس ڈے) (مناتے ہیں۔) حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ سے محبت کی ترغیب ان کے میلاد منانے کے ذریعے نہیں بلکہ آپ سے اظہار محبت، آپ کی اتباع کرنے سے فرمائی ہے۔ عید میلاد النبی ﷺ کو آپ ﷺ کی محبت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ تو محض نفس پرستوں نے اپنی خواہشات پوری کرنے کے لیے ایک طریقہ اختیار کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ سے جس قدر صحابہ کرام محبت کرتے تھے اس کی مثال ابتداء آفرینش سے قیامت تک ملنی مشکل ہے۔ اور نیک کاموں میں وہ سب سے زیادہ کوشاں اور حریص تھے اور آپ ﷺ کی تعظیم بھی ان کے دل میں سب سے زیادہ موجزن تھی۔ ان محفلوں میں اگر کوئی بھلائی یا نیکی ہوتی تو صحابہ کرام، ائمہ دین ضرور ان محفلوں کو منع کرتے جب کہ ان کو منع کرنے میں کوئی رکاوٹ اور دشواری نہ تھی۔

قارئین کرام! اگر اس محفل میلاد کو آپ ﷺ کی زندگی میں کیا

جاتا تو آپ ﷺ اسے ہرگز پسند نہ فرماتے۔ چنانچہ حضرت الامام مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

”اگر بالفرض آنحضرت ﷺ اس زمانہ میں زندہ ہوتے تو کیا آپ ان محفلوں اور مجلسوں کو پسند کرتے یا ان کو دیکھ کر راضی ہوتے۔ فقیر کو یقین ہے کہ آپ ﷺ ان کو ہرگز جائز نہ رکھتے بلکہ اس سے روکتے اور منع فرماتے۔“

سعودی عرب کے مفتی اعظم الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ نے اس سے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ کام سراسر بدعت اور دین میں نئی ایجاد ہے اور یہ قطعاً جائز نہیں۔

آپ کی ولادت باسعادت

قارئین محترم! راجح روایات کے مطابق آپ ﷺ کی ولادت ۹ ربیع الاول کو ہوئی جو بلاشبہ ہر مسلمان کے لیے خوشی کا دن ہے۔ لیکن یہ دیکھئے کہ وہ کام ہم کیسے کر سکتے ہیں جسے خود رسول اللہ ﷺ نے نہ کیا ہو۔ اور پھر آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اس بدعت کو ایجاد کرنے والے کیسے لوگ تھے۔ ناپنے گانے والے جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے، تو یہ عبادت کیسے ہو سکتی ہے؟ یہ تو تاریخ میلاد النبی ﷺ یا حقیقت کے حوالے سے بات تھی۔ اب ذرا عقلی لحاظ سے غور فرمائیں کہ آپ ﷺ کی ولادت کی تاریخ ۹ ربیع الاول ہے۔ اگرچہ اس میں اختلاف ہے لیکن راجح مسلک یہی ہے۔ اور آپ ﷺ ۱۲ ربیع الاول کو فوت ہوئے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اب کوئی عقل مند انسان اس موقع پر خوشی کا اظہار نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ موت کا صدمہ تو بہر حال پیدائش کی خوشی سے بھی بعد کا ہے۔ اور پھر غور کیجیے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو اتنے غمزدہ ہیں کہ زمانہ ان کے غم کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ۱۲ ربیع الاول کو مدینہ منورہ میں قیامت برپا تھی اور آج کے بھولے بھالے مسلمان جلسوں، محفلوں کا انعقاد کرتے ہیں، گانے بجانے، پٹانے اور تمام قسم کی تخریبی رسومات کے ساتھ اس دن جلوس نکالے جاتے ہیں۔ یاد رہے جشن میلاد اگر نیکی ہوتی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ ۱۲ ربیع

مرحوم بڑی اچھی طبیعت کے مالک تھے۔ مہمان نواز اور ملن سار تھے۔ ان کی نماز جنازہ قاری منظور احمد صاحب نے کھیالی گوجراں والا میں پڑھائی جس میں بے شمار احباب جمعیت اہل حدیث شریک ہوئے۔ قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

[حمزہ طور، رابطہ سیکرٹری جمعیت اہل حدیث پنجاب، گوجراں والا]

ضرورتِ رشتہ

①..... بیٹی بمر ۳۱ برس، تعلیم میٹرک، راجپوت فیملی، بیٹی کا والد وفات پا چکا ہے، کے لیے اہل حدیث جماعت سے برسرِ روزگار ضرورت مند فرد کا رشتہ درکار ہے۔ صرف لاہور کے رہائشی رابطہ کریں۔

②..... لڑکا عمر ۲۸ برس، راجپوت فیملی برسرِ روزگار کے لیے مسلک اہل حدیث سے وابستہ لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ ضرورت مند احباب رابطہ کریں۔ [رابطہ موبائل: 0321-9473913]



الاول کو آنسو نہ بہاتے، عمر فاروق رضی اللہ عنہ جذبات کے ہاتھوں مغلوب نہ ہوتے، حضرت انس رضی اللہ عنہ اس دن کو قہقہہ نہ کہتے، ازواجِ مطہرات کی دنیا تارک نہ ہوتی، اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اتنا صدمہ نہ پہنچتا کہ وہ کہہ دیتیں:

صبت علی مصائب لو انھا

صبت علی الایام صرن لیالی

غور کیجیے ایک ماں کا اگر ایک بچہ جس تاریخ کو پیدا ہوا، اسی تاریخ کو فوت ہو جائے تو کیا وہ فوت ہونے کا غم منائے گی یا پیدائش کی خوشی؟ یقیناً غم منائے گی۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو جذبات کی بجائے حقیقت پسندی نصیب فرمائے۔



اظہار تشکر

برادرِ اکبر مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب کی گزشتہ دنوں ایک حادثے میں بازو اور ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ الحمد للہ آپریشن کے بعد وہ گھر میں روبہ صحت ہیں احباب سے مزید دعائے صحت کی درخواست ہے جن احباب نے ہسپتال یا گھر اور ٹیلی فون کے ذریعہ عیادت کی ہم ان سب احباب کے مشکور ہیں اللہ جزائے خیر سے نوازے، آمین۔

[عنایت اللہ امین مدرس دارالحدیث راجوال]

خطبات جمعۃ المبارک

مرکزی جامع مسجد محمدی اہل حدیث کوٹ رادھاکشن قصور میں مندرجہ ذیل علمائے کرام خطبات جمعہ ارشاد فرمائیں گے۔

۱۳ اپریل ۲۰۰۷ء مولانا عنایت اللہ امین

۲۰ اپریل ۲۰۰۷ء مولانا محمد زکریا زواری

۲۷ اپریل ۲۰۰۷ء مولانا بارک اللہ مصمام

[حکیم محمد یحییٰ عزیز ڈاھروی کوٹ رادھاکشن، قصور]

دعائے مغفرت

مولانا محمد حسین مدنی (گوجراں والا) کے والد گرامی گزشتہ دنوں ایک ٹریفک حادثے میں انتقال کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کرکٹ

مریم خنساء رحمہا اللہ

تفریح انسانی فطرت و جبلت کی ضرورت ہے تاکہ انسان اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی بہ طریق احسن ادا کر سکے۔ اسلام چوں کہ دین فطرت ہے اس لیے اسلام نے تفریح کو صرف باقی ہی نہیں رکھا بلکہ اس کی اجازت بھی دی ہے لیکن بے مقصد نہیں۔ اسلام نے تیر اندازی اور نیزہ بازی کی مشق کو تفریح میں شامل کیا ہے، نیز دوڑ اور گھڑ دوڑ میں مقابلے کی ترغیب دی ہے، اسی طرح تیراکی بھی صحت بخش تفریح میں شامل ہے تاکہ ”آم کے آم، گھلیوں کے دام“ کے مصداق تفریح کے ساتھ ساتھ حفظ صحت بھی ہو جائے اور اسلام کے اہم رکن جہاد کی تیاری بھی۔

لیکن مغربی اقوام کے نزدیک تفریح صرف بے مقصد ذہنی و جسمانی آسودگی کا نام ہے، چنانچہ یہ بد نصیب قومیں جو، موسیقی، شراب نوشی اور جملہ لہو و لعب کو تفریح جانتے ہوئے انہی سے لطف اندوز ہوتے (انجوائے کرتے) ہیں جب کہ اسلام نے ان تفریحات سے سختی سے روکا اور انہیں حرام قرار دیا ہے۔

کچھ اقوام علاقائی اور ثقافتی کھیلوں سے تفریح کا کام لیتی ہیں جس طرح پنجاب کے لوگ کشتی، کبڈی وغیرہ ایسے ہی بعض ممالک فٹ بال، والی بال اور ہاکی جیسے کھیلوں سے ذوق تفریح کا سامان کرتے ہیں۔ برطانیہ نے چوں کہ ایک عرصہ دنیا کے اکثر حصے کو محکوم بنائے رکھا اور برطانوی خود فاریغ ہوتے تھے انھوں نے کرکٹ جیسا کھیل ایجاد کیا خود کھیلایا، رائج کیا اور اسے دنیا میں شہرت دی یہ ایک ایسا کھیل ہے جس میں ہارجیت کے لیے کم از کم ایک دن، وگرنہ پانچ دن انتظار کرنا پڑتا ہے۔ وطن عزیز پہ حکمرانی کرنے والا طبقہ اپنے آقاؤں سے متاثر و مرعوب تھا، اور اب تک ہے اس لیے اسی نے بھی کرکٹ کو ایک قومی کھیل کا درجہ دے کر قومی ہونہاروں کی ایک نہیں کئی نسلیں تباہ کر دیں درج ذیل مضمون عزیزہ مرحومہ نے کئی سال قبل تحریر کیا تھا جسے پاکستانی ٹیم کے ورلڈ کپ میں ”ہارنے کے غم میں“ شرکت کے لیے شائع کیا جا رہا ہے۔ [ح، ایش]

شاندار کامیابی کا حصول ہونا چاہیے۔

اسلامی اصول حیات کا یہی وہ مرکزی پہلو ہے جس سے زندگی کے باقی تمام شعبے اپنے رخ متعین کرتے ہیں۔ سیاست کی سیج ہو یا بازارِ معیشت، میدانِ تعلیم ہو یا بساطِ تحریر، رزم گاہ جہاد ہو یا ہجومِ ثقافت و معاشرت، سب میں یہی اصول کار فرما ہے۔ زندگی کے تمام پہلو اسی درخت کی مختلف شاخیں ہیں۔

کھیل کے متعلق اسلام کے بنیادی اصول

انسانی جسم دن بھر مختلف جسمانی یا دماغی محنت کے بعد تفریح کا تقاضا کرتا ہے۔ کھیل اسی تقاضے کو پورا کرنے کی ایک صورت ہے۔ اس فطری ضرورت کے تحت اسلام کے شارح رسول اللہ ﷺ نے مسلمان کے لیے کھیلنا روا رکھا۔ مگر جس طرح زندگی کے دوسرے تمام پہلو مذکورہ بالا اصول سے مطابقت کی ایک خاص شان رکھتے ہیں، اسی طرح کھیلوں

زندگی سے متعلق دنیا میں مروجہ تمام نظریات کا جائزہ لیں تو واضح طور پر نسل انسانی دو اقسام میں بٹی ہوئی نظر آتی ہے۔ ایک کا نظریہ یہ ہے کہ ہماری موجودہ زندگی عناصر کے ارتقائی کیمیائی عمل کا نتیجہ ہے۔ لہذا ”بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست“ بابر عیش کر لو یہ عالم دوبارہ قائم ہونے والا نہیں۔ اس نظریہ میں آخرت کی زندگی کے تصور کا شائبہ تک نہیں۔ دنیائے رنگ و بو میں الجھ کر شہرت، معیشت، نام و نمود، دولت، عیش و عشرت یا حکومت ہی کو سب کچھ سمجھنے والوں کے اعمال کا جائزہ لیں تو وہ زندگی کی اصل حقیقت یعنی بندگی اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے عائد کی گئی ذمہ داری (خلافت ارضی) ہی کی فراموشی کا مظہر نظر آئیں گے۔

اس کے برعکس دوسرے گروہ کا ایمان ہے کہ ہماری موجودہ زندگی ایک امتحان گاہ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبدیت کی امین ہے۔ اس کے مطابق ہماری زندگی کا تمام تر مٹح نظر ابدی زندگی اور احتسابِ آخرت میں

﴿رَجُلٌ لَا تُلْهِمُهُمْ تِجَارَةً وَلَا يَبِيعُ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ
الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ صَ لَا يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ
الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ﴾ [النور: ٣٧]

”ایسے لوگ ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے
اور اقامت صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے غافل نہیں کر دیتی۔
وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن دل الٹے اور آنکھیں پتھرا
جانے کی نوبت آ جائے گی۔“

کرکٹ جیسے کھیل کے لیے (جو بہر حال دنیاوی اعتبار سے بھی
تجارت جتنی اہمیت تو نہیں رکھتا) ذکر الہی سے غفلت برتی جاتی ہے۔ بیچ
پر واں تبصرہ سننے کے شوق میں بیچ وقتہ نمازیوں کا بھی دوران نماز ارکان
کی ادائیگی کی طرف خیال ہونے کی بجائے کھلاڑیوں کی ”رن پوزیشن“
کی طرف ہوتا ہے۔ کھلاڑی خود بھی نماز کا خیال نہیں رکھتے۔

غالباً ۱۹۹۲ء کا ورلڈ کپ رمضان المبارک میں کھیلا گیا تو مشاہدے
میں آیا کہ مسلمان کھلاڑیوں نے بیچ کی خاطر روزے بھی چھوڑ رکھے
تھے۔ دن کے وقت علانیہ کھاپی کر رمضان المبارک کی بے حرمتی کا سبب
بن رہے تھے۔ شائقین بھی رمضان کی بیش قیمت ساعتوں سے مستفید
ہونے کی بجائے لہو و لعب میں مصروف تھے۔ یاد رہے کہ ذکر الہی سے
غافل کر دینے والے کاموں کو قرآن مجید میں ”لہو“ کے نام سے یاد کیا گیا
ہے اور اس پر سخت عذاب کی وعید ہے۔

غیر معمولی جذباتیت کا سبب: ہماری غیرت صرف دین کے لیے
وقف ہونی چاہیے مگر افسوس کہ آج ہم اس صفت سے محروم ہو چکے ہیں۔
دینی حوالے سے ہم کن کن محاذوں پر شکست کھا رہے ہیں اس کی ہمیں
پروا ہونا تو کجا علم بھی نہیں ہوتا مگر کھیلوں کے حوالے سے معاملہ برعکس
ہے۔ جیتنے والے کھلاڑیوں سے غیر معمولی عقیدت کا اظہار کیا جاتا ہے۔
انھیں کندھوں پر بٹھانا، پھولوں اور ہاروں سے لادنا، سونے چاندی کے
مرصع تاج پہنانا، بیش قیمت انعامات اور پلاٹ دینا، جیتنے کی خوشی میں کئی
کئی من مٹھائیاں بانٹنا، یہ سب اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

دوسری طرف ہارنے والوں کے متعلق قوم کے بیانات اور رد عمل

میں بھی اس اہم پہلو کو نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیا گیا۔ عہد رسالت
میں نبوی سرپرستی کا شرف حاصل کرنے والے کھیل نیزہ بازی، نشانہ
بازی، تیراکی، دوڑ، شہ سواری، پہلوانی وغیرہ ہیں۔ یہ تمام کھیل انسان کی
جسمانی طاقت میں اضافے کے ساتھ ساتھ اسلامی نظام حیات کے کئی
اہم پہلوؤں میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

اس حوالے سے سب سے زیادہ اہمیت کا حامل میدان جہاد ہے۔
جہاں میں یہی مہارتیں قیام دین کے سلسلے میں کام آتی ہیں۔ یہ کھیل
عمومی زندگی میں بھی ظالم کو ظلم سے روکنے، مظلوم کی فریادرسی کرنے، علی
الاعلان جرائم کرنے والوں کو روکنے اور دفاع دین و تحفظ ذات کے سلسلے
میں کام آسکتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ سب کھیل محدود وقت میں کھیلے جاسکتے
ہیں۔ اسی حکمت کے تحت انھیں نہ صرف پسند کیا گیا بلکہ ان سے اجتناب
کرنے والوں کی مختلف انداز میں حوصلہ شکنی کی گئی۔

آج بھی کھیل کے متعلق اسلام کے انہی اصولوں کو سامنے رکھتے
ہوئے شہ سواری کی طرح ڈرائیونگ، کشتی، باکسنگ، جوڈو کراٹے، باڈی
بلڈنگ، مارشل آرٹ جیسے کھیل کھیلے جاسکتے ہیں۔

کرکٹ کی موجودہ صورت اور اسلام

کرکٹ بہ ذاتِ خود کوئی غلط کھیل نہیں مگر اس کی موجودہ صورت کو
کھیل کے مذکورہ بالا اصولوں اور حکمتوں کی کسوٹی پر کسے کی کوشش کی جائے
تو ان پر اس کا پورا اثر نامشکل ہے۔ جس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

ضیاع وقت کا سبب: وقت ہمارے پاس اللہ کی امانت ہے، اس کا
ضیاع ناقدری نعمت کی ذیل میں آتا ہے۔ کھیل انسانی زندگی کے لیے
ضروری ہے لیکن جو کھیل کئی روز تک جاری رہے وہ اسلام سے سند استھسان
(پسندیدگی کی سند) کیسے حاصل کر سکتا ہے۔ موجودہ دور میں کرکٹ بیچ کئی
کئی روز تک جاری رہتا ہے۔ بین الاقوامی سطح پر ٹیموں میں مقابلوں کی وجہ
سے کرکٹ بیچ سال کے بیشتر مہینوں میں جاری رہتے ہیں۔

ذکرِ الہی سے غفلت کا سبب: قرآن مجید میں مومنوں کی صفات کے
ضمن میں ارشاد ہے:

پر نظر دوڑائیے تو ان میں سے غیر حقیقت پسندانہ جذباتیت جھلکتی نظر آئے گی۔ کھلاڑیوں کے گھروں پر پتھراؤ، قتل کی دھمکیاں، غداری، بکنے، جواری ہونے کے الزامات، گالیاں اور طعنے، یوم سیاہ منانا، کھلاڑیوں کی تصاویر گدھوں اور نچوروں کے گلوں میں لٹکا کر جلوس نکالنا، کھلاڑیوں کے پتلے جلانا، ان کی تصاویر پر جوتوں کے ہار لٹکانا، سوگ میں گھروں میں کچھ نہ لپکانا، آخر یہ سب جذباتیت نہیں تو اور کیا ہے؟

قوم کے اعصاب پر کرکٹ اتنا بری طرح سوار ہو چکا ہے کہ ہر اہم کرکٹ میچ سے قبل ذرائع ابلاغ کے ذریعے ڈاکٹروں کو اپیل کرنا پڑتی ہے کہ امراض قلب میں مبتلا افراد میچ نہ دیکھیں۔

اخبار کے مطابق ورلڈ کپ ۱۹۹۶ء میں پاکستانی ٹیم کی شکست پر سینکڑوں افراد بے ہوش ہو گئے۔ ایک صاحب کو ہارنے کی خبر سن کر ہارٹ اٹیک ہوا اور دو دن بے ہوش رہنے کے بعد انتقال کر گئے۔

[۱۶ مارچ، ۱۹۹۶ء روزنامہ جنگ]

کار بار زندگی میں تعطل: کرکٹ طویل دورانیہ کا کھیل ہونے کی وجہ سے کار بار زندگی میں تعطل پیدا کر دیتا ہے۔ ورلڈ کپ ۱۹۹۶ء کے موقع پر دیکھا گیا کہ میٹرک کے امتحانی مراکز میں منتحی ریڈیو سے میچ پر رواں تبصرہ ہی سنتے رہے۔ کئی بچوں نے شوق میں امتحان کی تیاری نہیں کی۔ شکست ہونے پر اخبارات کو فون کر کے کہا کہ ”پاکستان جیت جاتا تو فیل ہونے کا غم نہیں تھا۔ مگر اب کیا ہوگا ہم نے تو میچ کی خاطر پڑھا بھی نہیں۔“ ٹریفک پولیس، کلرک، دکان دار، ڈاکٹر، ڈرائیور سب ان دنوں ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھے یا کانوں سے ٹرانسٹر لگائے نظر آتے ہیں۔ اس سے کار بار زندگی میں تعطل تو پیدا ہوتا ہی ہے، عوام میں بدعنوانی، غیر ذمہ داری اور فرائض کی انجام دہی سے کوتاہی کی روش بھی جنم لیتی ہے۔

کرکٹ اور جوا: یہ بات تو اب کسی پر مخفی نہیں رہی کہ رفتہ رفتہ کرکٹ نے باقاعدہ جوئے کا روپ دھار لیا ہے۔ یہ چھوٹے پیمانے پر بھی ہوتا ہے اور بڑے پیمانے پر بھی۔ اخبارات کے مطابق اس میں ملک کی اہم شخصیات بھی شامل ہوتی ہیں اور عوام بھی۔ ٹاس جیتنے کے مرحلے سے لے کر مختلف کھلاڑیوں کے سکور تک صد ہا قسم کے جوئے لگتے ہیں۔ علاوہ

ازیں کئی کھلاڑی بھی جوئے میں ملوث ہوتے ہیں۔ میچ کے دوران اخبارات روازنہ کی صورت حال دیتے ہیں، مثلاً:

”بمبئی میں آج ہونے والے بھارت اور آسٹریلیا کے درمیان میچ پر برصغیر کے سٹہ باز آسٹریلیا کو فیورٹ قرار دے رہے ہیں۔ بمبئی میں گزشتہ روز آسٹریلیا کا بھاؤ ۱۰۰ روپے اور بھارت کا ۱۲۵، ۱۰۰ تھا یعنی اگر آسٹریلیا جیتا تو اس پر ۱۰۰ روپے شرط لگانے والے کو ۹۰ روپے جب کہ بھارت کے حق میں شرط لگانے والوں کو ۱۰۵ روپے ملیں گے۔“ [روزنامہ جنگ، ۲۷ فروری ۱۹۹۶ء]

”ایڈونچر“، ہوٹل کے ایک ویٹر گلاب خان نے جو بنگلہ رام کا ہے ٹی وی پر ”ہم جیتیں گے“ کی رٹ سن کر پچاس ہزار روپے کی شرط لگا دی۔ اس کا کہنا ہے کہ میں تو اب کئی سال اپنے علاقے میں نہیں جاسکوں گا۔“ [خبریں ۱۰ مارچ ۱۹۹۶ء]

یاد رہے اسلام میں جوئے کی کسی صورت اجازت نہیں۔ اسے شیطان کی گندگی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حدیث میں جوا کھیلنے کو سورا کا گوشت کھانے کے مترادف بتایا گیا ہے۔ [مسلم]

کرکٹ اور سیاست: زندگی کے دوسرے میدانوں کی طرح کھیل کے میدان میں بھی سیاست اپنے پنخہ گاڑ چکی ہے۔ سٹیڈیم کی بالکونیوں میں پسندیدہ سیاسی لیڈروں کے نعرے، مخالف لیڈروں پر گالیوں کی بوچھاڑ، ایسی پتنگیں اور غبارے چھوڑنا جن پر سیاسی مطالبات درج ہوں، اہم سیاسی شخصیات کا کھلاڑیوں پر انعام یا عتاب کے ذریعے اثر انداز ہونا، ٹیم میں سیاسی رجحانات و نظریات کے حوالے سے اکھاڑ پچھاڑ، یہ سب امور اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں کہ کرکٹ سیاست کی آلودگی کا شکار ہو چکا ہے۔

اسراف (فضول خرچی): کرا فروغ: کرکٹ میں حکام عوام کو اسراف و تبذیر (فضول خرچی) کا عملی سبق سکھانے کا خوب فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ قرآن مجید میں اسراف کا مرتکب ہونے والوں کو شیطان کے بھائی کہا گیا ہے جب کہ کرکٹ کی صرف تیج کی تیاری کے لیے ہی خطیر رقم درکار ہوتی ہے۔ مزید برآں غیر ملکی کھلاڑیوں کی غیر معمولی خاطر

ومدارت پر اٹھنے والے اخراجات سرکاری خزانے سے ادا کیے جاتے ہیں۔ ان کی آمد پر بڑے بڑے بینرز، ورلڈکپ میچ کے حوالے سے تصاویر، سائن بورڈز، ڈے اینڈ نائٹ میچ کے لیے روشنیوں کا انتظام، یہ سب اخراجات قومی خزانے کے ضیاع اور قوم کی زندگی کے اصل مقصد سے غافل کر کے کھیل ہی کی طرف راغب کر دینے کی ایک سوچی سمجھی سازش ہے۔ مثل مشہور ہے:

”الناس علی دین ملوکھم۔“

”لوگ اپنے بادشاہوں یا حکام کے طرز عمل کی پیروی کرتے ہیں۔“

اعلیٰ حکام کی یہ فضول خرچی عوام میں بھی اسراف کا سبب بنتی ہے۔ بطور مثال، مارچ ۱۹۹۶ء کے اخبارات میں شائع شدہ ایک ہی خبر کافی ہے۔ جس کے مطابق ورلڈکپ فائنل میچ کے آغاز سے قبل قذافی سٹیڈیم سے رنگ برنگے ۲۰ ہزار غبارے فضا میں چھوڑے جانے تھے۔

تعلیم کی بجائے کھیل کی اہمیت: اس لیے پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے کہ ہمارے ہاں اعلیٰ ملازمتوں کا حصول تعلیمی اسناد اور اہلیت کی بنیاد پر نہیں، رشوت اور سفارش کے بل بوتے پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر اوقات اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد اپنی اسناد کے ہمراہ کئی کئی سال ملازمت کے لیے مارے مارے پھرنے کے باوجود ناکام رہتے ہیں۔ اس صورت حال کے تناظر میں جب کھلاڑیوں پر حکومت کی داد و ہش اور عوام میں ان کی توقیر کے مناظر آتے ہیں تو لامحالہ ان دل برداشتہ تعلیم یافتہ روزگاروں میں سے کئی ایک کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ہم سے تو یہ کھلاڑی ہی اچھے ہیں۔ کھیل کی وجہ سے ہی ان کھلاڑیوں کو قابلیت کے بغیر ہی اعزازی طور پر اعلیٰ عہدے مل جاتے ہیں۔ تعلیم کی ناقدری اور کھیلوں کی غیر معمولی اہمیت کا طرز عمل اب کئی بچوں کو قلم اور کتاب کی وابستگی سے محروم کر کے ان کے ہاتھوں میں کھیل کے لوازمات تھما رہا ہے۔ آئیے ذرا ورلڈکپ ۱۹۹۶ء میں کھلاڑیوں پر انعام و اکرام کے سلسلے کی جھلک پر ایک نظر ڈالتے چلیں۔

”موجودہ ورلڈکپ میں دو کروڑ روپے کے انعامات دیئے

جار ہے ہیں۔ وز کو ۱۶ لاکھ، ٹرائی وز کو ۱۰ لاکھ، سیسی فائنل میں ہارنے والی ٹیموں کو ۵، ۵ لاکھ، فائنل کے مین آف دی میچ کو پونے دو لاکھ روپے، سیسی فائنل کے مین آف دی میچ کو ایک لاکھ روپے، لیگ میچ میں جیتنے والی ٹیم کو ایک لاکھ اور مین آف دی میچ کو پچاس ہزار روپے دیئے جائیں گے۔“

[روزنامہ جنگ، ۲۷ فروری ۱۹۹۶ء]

ایک جاہل قوم کے کھلاڑی یقیناً کھیل کے میدان میں تو مخالف ملک کو شکست دے سکتے ہیں مگر محاذ جنگ یا محاذ تہذیب و ثقافت یا محاذ صنعت و تجارت میں ان کی کھیل قوم کے کسی کام نہیں آ سکتی۔ ترقی کے حصول کے لیے تعلیم کی اہمیت کو زندہ کرنا اشد ضروری ہے۔

خواتین میں بے راہ روی کے فروغ کا ذریعہ: کرکٹ نے دیگر ذیلی خرافات کے ساتھ مغرب سے فاشی بھی درآمد کی ہے، تماشاخیوں کے ہجوم میں سے کھلاڑیوں کی حمایت یا مخالفت میں نعروں کی سب سے بلند آواز خواتین کی ہوتی ہے۔ اکثر ایسی لڑکیوں کے آئیڈیل کھلاڑی ہی ہوتے ہیں ان کے ہیروز سٹائل سے لے کر بات کرنے کے انداز تک، لڑکیوں کی گفتگو کا موضوع کھلاڑی ہوتے ہیں۔ کھلاڑیوں سے آٹو گراف لینے والوں میں بھی اکثریت لڑکیوں کی ہوتی ہے۔ عمران خان کی شادی کے بعد اس عورت کا قصہ کس نے اخبارات میں نہیں پڑھا ہوگا۔ جس نے سوگ میں کھانا بند کر دیا۔ کیوں کہ وہ عمران خان سے شادی کی خواہش مند تھی۔

کرکٹ میچ دیکھنے کے لیے آنے والی لڑکیاں کیا کیا طوفان مچاتی ہیں۔ ان کی جملہ بازیوں کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

ایک ٹیسٹ میچ میں لڑکیوں نے سست کھیل دیکھ کر آوازے کسے ”کوئی چھکا لگاؤ، کوئی چھکا لگاؤ، ہم داد دینے والے ہیں غیر نہیں۔“
سری لنکا کے کھلاڑی آئے تو لڑکیوں نے کورس میں گانا گایا۔
”ربا کالیاں نوں اپنی پاؤں، گوریاں داتھ مار دے۔“

[نوائے وقت، ۲۱ اکتوبر ۱۹۸۵ء]

ابو ہریرہ شریعہ کالج میں داخلہ لیجیے

حضرات اس سچائی سے اچھی طرح واقف ہیں کہ ملک میں یہ واحد ادارہ ہے جس میں 1997ء سے درسِ نظامی کے ساتھ لازمی (Compulsary) ایف۔ اے، بی۔ اے کروایا جا رہا ہے۔

داخلہ یکم مئی تا 20 مئی

میٹرک، ایف۔ اے، میٹرک کا امتحان دینے والے طلباء داخلہ لے سکتے ہیں۔ تاہم قبل ہونے کی صورت میں انھیں فارغ کردیا جائے گا۔

میٹرک

تعلیم، رہائش، کھانا معیاری اور فری تاہم درسِ نظامی اور کالج کی کتب طالب علم کے ذمہ ہونے کے ساتھ اسے اپنی مالی استعداد کے مطابق کچھ ماہانہ زرتعاون جمع کروانا ہوگا۔ تاکہ کلیتہاً مفت خوری سے اجتناب اور طلباء میں خودداری پیدا ہو سکے۔

سہولیات

نصاب شریعہ کالج

ترجمہ القرآن سورة الفاتحة تا الاعراف، مشکوٰۃ اوّل، علم النحو، علم الصرف، ابواب الصرف، دروس اللغة العربية (دو حصے)، تجوید القرآن، فرسٹ ایئر نصاب بمطابق انٹرمیڈیٹ بورڈ۔ لاہور

سال اول

ترجمہ القرآن سورة الاعراف تا النمل، مشکوٰۃ ثانی، نحو میر شرح مائتہ عامل، کتاب الصرف، الطیب المنخ، معلم الانشاء (دو حصے)، تجوید القرآن، سیکنڈ ایئر نصاب۔

سال دوم

ترجمہ القرآن، مسلم شریف، ترمذی شریف، ہدایۃ النحو، علم الصیغہ، السراجی، شرح نخبۃ الفکر، تجوید القرآن، تھرڈ ایئر نصاب بمطابق پنجاب یونیورسٹی

سال سوم

بخاری شریف، ہدایۃ، الوجیز، شرح ابن عقیل، الفوز الکبیر، فور تھد ایئر نصاب بمطابق پنجاب یونیورسٹی

سال چہارم

نشریات اکیڈمی ارقم میاں محمد جمیل

سیرت ابراہیم علیہ السلام، انبیاء علیہم السلام کا طریقہ دعا، دین تو آسان ہے، دُکُوۃ کے مسائل و فوائد، آپ ﷺ کا تہذیب و تمدن، مشکلات کیوں؟ نفلے کے الہامی راستے، آپ ﷺ کا حج، فضیلت قربانی اور اس کے مسائل، آپ ﷺ کی نماز قیام و تہجد کی عملی تصاویر، برکات رمضان، اتحاد امت و قلم جماعت، چادری تاجہ کاریاں..... ان کا شرعی علاج

مشکوٰۃ المصابیح سے متفق علیہ اور بخاری و مسلم کی مکمل روایات و مسائل میں 6 مرتبہ چھپ چکی ہے۔ قیمت سینٹ-600 روپے

قیمت الحدیث

ابن کثیر، جامع البیان، رازی اور دیگر عربی تفاسیر کا خلاصہ اور تفسیر ثنائی، معارف مدبر، تفسیر القرآن کے اہم نکات پر مشتمل جدید و قدیم علوم کا مجموعہ جس میں روال الفنی ترجمہ اور تفسیر بالغہ بیت کا التزام اور تفسیر بالغہ قرآن۔ نعمانی کتب خانہ، دارالاسلام، مکتبہ قدوسیہ، اسلامیہ اردو بازار، لاہور، دارالرقم فیصل آباد

کے

براہ راست منکوانے والے کو 40% رعایت

کالج میں شعبہ تجوید کا اجراء

یکم مئی سے شعبہ تجوید کا اجراء کیا جا رہا ہے جس میں چار سال کے اندر درسِ نظامی، گریجویشن اور تجوید کی سند دی جائے گی۔

ضرورت استاد

شعبہ ہذا کے لیے ایک مشاق قاری کی ضرورت ہے جن کو رہائش کے لیے مکان اور-6000 روپے ماہانہ وظیفہ پیش کیا جائے گا۔

رابطہ: 0321-4168546 / 042-5417233

پرنسپل ابو ہریرہ شریعہ کالج 37 کریم بلاک، اقبال ٹاؤن۔ لاہور 042-5417233

رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

تو فروغِ دینِ اکمل تو کمالِ فکرِ کامل
 یہ جہاں تمام محفل تری ذاتِ شمعِ محفل
 تو ہے کائنات کی جاں تو ہے کائنات کا دل
 ترا حسنِ دلبرانہ رہِ شوق کی ہے منزل
 وہی فخرِ دوستاں ہے جو ترا جمالِ پالے
 وہی نازِ عاشقاں ہے جو تیرا وصالِ پالے
 تیرے گیسوؤں کی خوشبو سے ہوا چمنِ معطر
 ترے روئے آفتابی سے ہر ایک شے منور
 مہ و مہر بھی حسیں ہیں تو مگر ہے چیزِ دیگر
 تو جلال میں نبیؐ ہے تو جمال میں پیغمبرؐ
 لبِ ذرہ ذرہ پر ہے ترے عشق کا فسانہ
 دلِ ذرہ ذرہ میں ہے ترے شوق کا ترانہ
 تو امیرِ کارواں ہے تو وجودِ کارواں بھی
 تو بہارِ گلستاں ہے تو وجودِ گلستاں بھی
 تو فقیرِ بے نوا ہے تو شہنشاہِ جہاں بھی
 تو رحیمِ مومناں ہے تو رحیمِ کافراں بھی
 مرے دل کی بے قراری کو بھی کچھ قرار آئے
 مرے دل کی وسعتوں میں ترا حسنِ پھیل جائے

[قاری نعیم الحق نعیم]